سلسلة إحياء العلوم وحفظ المتون

# احسن البلاغت

- قرآنِ کریم کے اُسلوبِ خطابی میں احوال کے مقتضیات کی رعایت پر حکمت، اور خلافِ مقتضیات خطاب کرنے کا سلیقہ
- قرآن مُبین کا اُسلوبِ استعارہ وکنایہ، مجاز القرآن کا ایک قیمتی مجموعہ اور قرآنِ مجید کے ساتھ مختص مختلف اَنواعِ بدیعیہ کا طلیعہ
- فصحا کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی برسانے والے استعارات، دِل کو باغ باغ کرنے والے مجازات وکنایات کا نگینہ
- دورانِ تلاوت بلا تکلف دل ودماغ میں آنے والی انواعِ بدیعیہ سے جذباتِ محبت اُبھارنے والا سفینہ


## مرتب

ابو القاسم محمد الیاس بن عبد اللہ گڈھوی

(مدرِّس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور ٹکولی، نوساری، گجرات)



## ناشر

ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

# تفصیلات


اسم کتاب: ............ احسن البلاغت

مؤلف: ............ ابوالقاسم محمد الیاس عبداللہ گڈھوی (ہمت نگری)

فون:9825914758

کمپوزنگ: ............ مولوی ریاض بن عبیداللہ دھاراگیری

سیٹنگ: ............ عامر بن سلیم نوساری-عبداللہ اشرف مانگرولی

صفحات: ............ ۲۱۲

ناشر: ............ ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

(02637) 299214 / 99133,19190


## ملنے کے پتے


- مکتبۃ الاتحاد، نزد دارالعلوم، دیوبند، 9897296985
- مکتبہ ابوہریرہ کھروڈ، گجرات، 9925652499
- مفتی صدیق اسلامپوری، ادگاؤں، کولہاپور، 9922098249

# فہرست مضامین

عناوین | صفحہ



## مقدّمہ

## علمِ بلاغت کے علومِ ثلاثہ



## علمِ معانی

### اِجرائے بلاغت کا طریقہ



مقدمہ:جملۂ خبریہ وانشائیہ

## اقسامِ انشائے طلبی

## بابِ ثانی: تعریف وتنکیر ..................... ۶۶

## تتمۂ علم معانی



## علمِ بیان

## علمِ بدیع



### متعلق بہ اجزائے کلام



### متعلق بہ مضمونِ کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# کلمات بابرکت بر ''اجرائے بلاغت''

## حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

ہمارے مدارسِ عربیہ کے نصاب میں علومِ آلیہ کے طور پر جو علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں اُن کا مقصد یہی ہے کہ، اُن کے ذریعے قرآن وحدیث کو صحیح طریقے سے سمجھا جاسکے، اگر اِن علوم کی تدریس کے وقت ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں اُن کے قواعد کے اجرا کے لیے قرآن وحدیث کی مثالیں استعمال کی جائیں، تو اُن کی تدریس کا مقصود بہ احسنِ وجوہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بعض مدرِّسین اپنے طور پر یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو بہت کامیاب رہتا ہے، اور طلبہ کو بھی اِس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر اِس سلسلے کو عام کیا جائے تو ہمارے نصاب میں علوم وفنون کی کتابوں کو پڑھانے کا مقصود بہ آسانی حاصل ہوسکتا ہے۔

ہمارے نصاب میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون میں ''علمِ بلاغت'' بھی ہے، اِس علم کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں عموماً مذکورۂ بالا طریقے کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ضرورت تھی کہ اِس کا ایک نمونہ طلبہ اور مدرسین کے سامنے پیش کیا جائے، اِس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے مولانا محمد الیاس صاحب گڈھوی

زید مجدہم (مدرِّس مدرسہ دعوۃ الایمان مانکپور ٹکولی، ضلع: نوساری، گجرات) نے یہ رسالہ- جو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے- ترتیب دیا ہے۔

دعا کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ اِس کو طلبہ اور مدرسین کے لیے نافع اور مفید بنائے، اور تدریس کا یہ طریقہ عام فرمائے۔ فقط والسلام

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ

# تقریظ

## حضرت مولانا قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم

(صدرالقراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذى أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا، والصلاة والسلام على رسول الله نبينا محمد المصطفى، و على آله وأصحابه و أئمة دينه أجمعين.

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اِس پر اسلامی شریعت کی بنیاد ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی صداقت کی دلیل ہے، قرآن کریم ایسا کلام ہے کہ جس کا مثل تمام جنّ وانس مل کر بھی نہیں لا سکے، اور رہتی دنیا تک نہ لاسکیں گے۔ قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿قُل لَّئِنِ ٱجۡتَمَعَتِ ٱلۡإِنسُ وَٱلۡجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأۡتُواْ بِمِثۡلِ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ لَا يَأۡتُونَ بِمِثۡلِهِۦ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٖ ظَهِيرٗا ۝٨٨﴾ اور سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا: ﴿فَأۡتُواْ بِسُورَةٖ مِّن مِّثۡلِهِۦ وَٱدۡعُواْ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ۝٢٣﴾ اور سورۂ طور میں فرمایا گیا: ﴿فَلۡيَأۡتُواْ بِحَدِيثٖ مِّثۡلِهِۦٓ إِن كَانُواْ صَٰدِقِينَ ۝٣٤﴾۔

جو لوگ قرآن کریم کو خداوند قدوس کا کلام نہیں مانتے اُن لوگوں کو یہ آیتیں چیلنج کر رہی ہیں، کہ تم اپنی بات میں سچے ہو تو اِس جیسا کلام بنا کر لے آؤ۔ حقیقت یہ

ہے کہ: پوری دنیا مل کر بھی کلامِ الٰہی جیسا کلام بنا کر پیش نہیں کرسکتی۔

اب معلوم کرنا چاہیے کہ قرآن کریم اپنے کس اعجاز کی بنیاد پر تمام جن وانس کو چیلنج کررہا ہے؟ اِس سلسلے میں عُلما کے مختلف اقوال ہیں:

بعض نے کہا ہے کہ: قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے مخالفین کو اِس جیسا کلام لانے سے روک دیا، جب کہ اُن میں اِس جیسا کلام لانے کی صلاحیت تھی۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ: قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ اُس نے غیب کی خبریں دی ہیں، جو ٹھیک اُس کے بیان کے مطابق واقع ہوتی ہیں۔

بعض نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے مخالفین سے کلامِ نفسی لانے کا مطالبہ فرمایا ہے، یعنی ایسا کلام لاؤ جو قدیم ہو۔ امام شاطبیؒ نے ''عقیلہ'' میں اِن تمام اقوال کی تردید فرمائی ہے۔ جمہور عُلما کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ: قرآن کریم کا اعجاز اپنی تمام قسموں کے ساتھ فصاحت وبلاغت ہے، جو پورے قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دوسری آسمانی کتابوں اور دنیا کی دیگر کتابوں کے مقابلے میں قرآنِ کریم فصاحت وبلاغت کے انتہائی وصف کے ساتھ مخصوص ہے۔

اِس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فنِ بلاغت کو پڑھنا اور اُس میں درک حاصل کرنا اِس قدر ضروری ہے کہ، اِس کے بغیر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کو نہیں سمجھا جاسکتا؛ جو اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے فصاحت وبلاغت کو اپنے دینی مدارس

کے نصاب کا جز بنایا؛ تاکہ ہم قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو سمجھ سکیں، اور منکرینِ قرآن کے سامنے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو پیش کر کے اُن کو قرآن مجید کے کلامِ صادق ہونے اور خداوند قدوس کے کلام ہونے کا قائل کر سکیں؛ مگر فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لیے علمِ نحو میں پختگی ضروری ہے۔

چند سال قبل فاضلِ گرامی جناب مولانا ابو القاسم الیاس صاحب زید مجدہ (مدرِّسِ حدیث وتفسیر مدرسہ دعوۃ الایمان ٹکولی) نے ''اجرائے بلاغت'' کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی اور ہدیۃً مجھے عنایت فرمائی، ہمیں اُس کتاب کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، مَیں نے اُس وقت مولانا موصوف سے کہا کہ: بلاغت کے موضوع پر ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو مبتدیوں کے لیے سہل اور آسان ہو۔ مَیں مولانا کا بہت ممنون ہوں کہ آں موصوف نے میری بات پر توجہ فرما کر یہ رسالہ جو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، ترتیب دیا۔

خداوند قدّوس مولانا کی اِس محنت کو بے حد قبول فرمائیں، اور مبتدی طلبہ اور اساتذہ کے لیے اِس رسالے کو نفع بخش بنائیں۔ آمین یارب العالمین.

والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين؛ وبالله التوفيق.

احمد اللہ قاسمی غفرلہ الباری

خادم القراءات، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

ضلع: نوساری، گجرات

مؤرخہ: ۱۳، ربیع الاول ۱۴۴۳ھ، بروز چہار شنبہ

# تقریظ وتائید بر ''اجرائے بلاغت''

## حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہم

(استاذِ حدیث وتفسیر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم.

تصنیف وتالیف کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے لمحہ بہ لمحہ پھیلتا چلا جارہا ہے، کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، کسی فن کا کوئی موجد ہے تو کوئی مدوِّن، کوئی ماتن ہے تو کوئی شارح اور حاشیہ نگار؛ ہر ایک کا اپنا اپنا اسلوب اور طرزِ نگارش ہوتا ہے، جب کوئی صاحبِ علم اور اہلِ فن ضرورت محسوس کرتا ہے تو حسبِ ضرورت فن کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہوجاتا ہے، اور عمدہ سے عمدہ طریقے سے پیش کرنے کی مقدور بھر سعی کرتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں کس قدر کامیاب ہے؟ اِس کا اندازہ اصحابِ فن اور مستفدین ہی کرسکتے ہیں؛ البتہ اِس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مؤلف کو دل ودماغ لگانا پڑتا ہے، اور زندگی کا اچھا خاصہ وجود اس راہ میں قربان کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ بھی مسلَّمات میں سے ہے کہ: فن فن میں فرق ہوتا ہے، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار، یا کوئی دشوار سمجھا جاتا ہے؛ لیکن فی الواقع دشوار نہیں، یا پیچیدہ ضرور ہے لیکن مؤلف کی مہارت وحذاقت اس کا احساس نہیں ہونے دیتی، اور وہ اس انداز سے کتاب کے نقوش لوحِ قلب اور دماغ میں نقش کرتا چلا جاتا ہے کہ دشوار ہونے کے باوجود ذہن کسی جگہ ٹھٹکتا نہیں، اور مستفدین میں مہارت پیدا کردیتا ہے۔

اِن ہی پیچیدہ سمجھے جانے والے فنون میں سے نہایت ہی دل چسپ فن ''فنِ فصاحت وبلاغت'' ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم کے رموز ونکات کا سمجھنا اِس فن کے بغیر دشوار ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے،جس کا اندازہ کشاف، بیضاوی، تفسیرِ رازی اور اِس طرح کی دیگر تفاسیر سے لگایا جاسکتا ہے؛ اِس لیے ضرورت ہے کہ اِس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ضبط میں لایا جائے۔

اِسی غرض سے میرے رفیق محترم مولانا الیاس صاحب زید مجدہم نے اَن تھک محنت اور حیاتِ مستعار کا ایک قیمتی حصہ صَرف کرکے طلبہ کی خدمت میں یہ قیمتی تحفہ پیش کیا ہے،موصوف ''اَنجانے'' نہیں؛ بلکہ مفید تحریر اور فنی کاوشوں کے حوالے سے ''جانے پہچانے'' ہیں۔

راقم کو معلوم ہے کہ: اُنھوں نے اِس کتاب کی تالیف وترتیب میں کس قدر تگ ودَو کی ہے!؛ اِس لیے سب سے پہلا قدر شناس کاتبِ سطور ہے۔ مَیں رفیقِ محترم کو بے حد مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور طلبہ برادری سے درخواست کرتا ہوں کہ: اِس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں، اور مقصدِ فن: قرآن فہمی کو پیشِ نظر رکھ کر رسوخ پیدا کریں۔

دعا گو ہوں کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اِس کتاب کو موصوف، اُن کے والدین واساتذہ اور طلبہ کے لیے باعثِ خیر بنائے، اور مزید اِس نوع کی خدمت کے لیے موفَّق بنائے۔اٰمین یارب العالمین.

العبد ابوبکر عفی عنہ پٹنی

۵؍شعبان ۱۴۳۷ھ بروز جمعہ

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمْدُ للّٰہِ الذِيْ نَزَّل عَلیٰ عَبْدِہِ الفُرْقَانَ، والصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ فَصِیْح البَیَانِ، وعَلیٰ آلِہِ وَأَصْحَابِہِ الذِیْنَ لھُمْ عَلیٰ جَمِیْعِ الأُمَّۃ اِمْتِنَانٌ.

دینِ اسلام میں علوم وفنون کی قدر و قیمت تب معتبر ہوتی ہے جب کہ اُس کا مرجع قرآن وحدیث ہو، علومِ عالیہ تو فی نفسہٖ مقصود بالذات ہیں، اور علومِ آلیہ کا اصل مقصود قرآن فہمی اور حدیث دانی ہے؛ اُن فنون میں سے اہم ترین، شیریں اور حلاوت سے لبریز "علمِ بلاغت" ہے۔

علمِ بلاغت کو کماحقّہ پڑھنے اور سمجھنے سے قرآنِ مجید کا مُعجِز ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ یہ کلام ہر قاری وسامع کے تمام احوال ومُقتضَیات کے مطابق ہے، اِس کا اُسلوب ایسا معجز ہے جو قاری وسامع کے ذہن میں منقّش ومُرتَسِم ہوجانے والے مضامین پیش کرتا ہے؛ نیز نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی اور موقع بہ موقع بلاتکلُّف اَنواعِ بدیعیہ کی کثرت نے عقل کو حیران کررکھا ہے۔

باری تعالیٰ خود اِس کتاب کی بابت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ وَقُرْءَانٍ مُّبِينٍ ۝١﴾ [الحجر:۱] یعنی اِس قرآن کی آیتیں ایسی ہیں جس کے اُصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہِ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کُن ہیں۔

مزید یہ کہ: کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری (موتیوں کا حسین مُرقّع) اور فواصلِ آیات کی نغمہ سنجی میں اِس قدر موزون ہے کہ، طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''احسن البلاغت'' اِس غرض سے لکھی گئی ہے؛ تا کہ ہمیں اللہ کے کلام کا اعجاز سمجھ میں آ جائے اور اِس کتاب کو اللہ ذریعے کے طور پر قبول فرمائے۔

یاد رہے کہ: اِس رسالے میں احقر کی مرتَّب کردہ کتاب ''اجرائے بلاغتِ قرآنیہ'' کے مضامین کا اختصار ہے، بحمد اللہ اصل کتاب کو اصحابِ ذوق علمائے کرام اور طلبائے عظام نے بے حد پسند کیا؛ البتہ سوچا یہ گیا کہ ''فنِ بلاغت'' کی عربی کتاب سے پہلے مناسب مقدار میں ''فنِ بلاغت'' سے متعلق ضروری چیزیں عام فہم انداز میں طلبہ کے سامنے پیش کی جائیں؛ تا کہ طلبہ اُس پر ایک نظر کر لیں یا صاحبِ فن سے درساً پڑھ لیں، جس کی بنا پر عربی میں پڑھی جانے والی کتاب سے پوری مناسَبت ہو جائے؛ نیز اِس ضمن میں قرآنِ کریم کی مثالیں بھی سامنے آ جائیں؛ تا کہ فنی کتب پڑھنے کے دوران یہ بات ملحوظ رہے کہ: میرا مقصود تو قرآن وحدیث کی فصاحت وبلاغت کو جاننا ہے؛ البتہ پڑھائی جانے والی کتابوں میں اشعار اور کلامِ بلغا سے جو مثالیں پیش کی جاتی ہیں وہ صرف وسیلہ ہیں۔

بحمد اللہ اِس کتاب میں وہ تمام ضروری مضامین ومعانی آ گئے ہیں جن کا بلاغت کی ابتدائی درسی کتابوں (تلخیص المفتاح، دروس البلاغۃ اور سفینۃ البلغاء) میں ذکر آتا ہے؛ تا کہ طلبائے علومِ بلاغت بہ آسانی اِس فن کو محفوظ کر سکے۔

ملاحظہ: زیرِ نظر کتاب میں مذکور مثالوں کی وضاحت یا باب کے مزید مضامین ومعانی کے لیے ''اجرائے بلاغتِ قرآنیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

اللّٰهُمَّ تقبَّلْها بقَبُول حسَن
وأنبِتْها نباتًا حسَنًا

بندہ: محمد الیاس عبداللہ گڈھوی

# مقدمۂ علم

# در فصاحت وبلاغت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِيْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَق، وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ؛ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ أُوْتِيَ جَوَامِعُ الْكَلِمِ؛ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

**فصاحت:** (اصطلاحی تعریف) گفتگو میں ایسے الفاظ کو پیش کرنا جو صاف ہوں، ظاہر ہوں، سنتے ہی فوراً سمجھ میں آجاتے ہوں اور اُن کے عمدہ ہونے کی وجہ سے اُدبا وشعرا کے درمیان بہ کثرت استعمال ہوتے ہوں[1]۔

فصاحت تین چیزوں سے متعلق ہوتی ہے: ① فصاحتِ کلمہ ② فصاحتِ کلام ③ فصاحتِ متکلم۔

## فصاحتِ کلمہ

**فصاحتِ کلمہ:** فصیح کلمہ وہ ہے جو عیوبِ اربعہ (تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاسِ لغوی، غرابت اور کراہت فی السمع) سے خالی ہو۔

**تَنافُرِ حروف:** کلمے کی وہ (ترکیبی) کیفیت ہے جس سے کلمے کا تلفظ دشوار

① فصاحت: (لغوی معنیٰ) ظاہر ہونا، بیان کرنا، جیسے: ﴿وَأَخِي هٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا.....﴾ [القصص:۳٤]

ہو اور اُس کا سننا ناگوار معلوم ہو، جیسے: ظَشُّ کھُر دری جگہ، هُعْخُعْ[1].

**مخالفتِ قِیاسِ لغوی:** کلمے کا قانونِ صرفی کے خلاف ہونا، جیسے وزنِ شعری کی رعایت میں شاعر نے بہ جائے «الْأَجَلُّ» کے «الْأَجْلَلُ» کہا ہے:

شعر:

اَلْحَمْدُ لله الْعَلِيِّ الْأَجْلَل ۞ الوَاحِدِ الفَرْدِ القَدِيْمِ الْأَوَّل[2]

**غرابَت:** کلمے کا معنیٰ ظاہر نہ ہو: یا تو اجنبی ہونے کی وجہ سے یا استعمال مشہور نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے: تَكَأْكَأَ بہ معنیٰ: جمع ہوا، اِفْرَنْقَعَ القَوْمُ عَنِ الشَّيْءِ بہ معنیٰ: الگ ہونا، اِطْلَخَمَّ بہ معنیٰ: دشوار ہوا۔

**کراهت في السمع:** کلمے کا سیاقِ کلام کے اعتبار سے ایسا نامانوس ہونا کہ سلیم الطبع اُسے ناپسند کرتا ہو اور کان سننے کو تیار نہ ہو اگرچہ وہ کلمہ بذاتِ خود فصیح کیوں نہ ہو، جیسے: خَوْعَمْ بمعنیٰ: احمق؛ کَرِیْمُ الجِرِشّٰی، بمعنیٰ: شریف النسب.

## فصاحتِ کلام

**فصاحتِ کلام:** فصیح کلام وہ ہے جس کے تمام کلمات فصیح ہوں، نیز وہ کلام

---

(۱) هُعْخُعْ یہ کڑوے بدبودار درخت کا نام ہے۔

ملحوظہ: بسا اوقات ایک ہی کلمے کے چند حروف کے مخارج میں غایتِ قرب یا غایت بُعد کا ہونا تلفظ میں دشواری کا باعث ہوتا ہے، اِسی وجہ سے کلامِ عرب میں ادغامِ مثلین ومتقاربین اور ابدال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن یہ امرِ کلی نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ''تمام تعریفیں بزرگ و برتر خدائے واحد واَحد کے لیے ہیں''۔

تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی اور کثرتِ تکرار، وتتابع اضافت[1] سے خالی ہو۔ یعنی: فصیح کلام وہ ہے جس کے الفاظ آسان ہوں، معنیٰ واضح ہو اور ترکیب بھی عمدہ ہو، جیسے: ﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ۝٢﴾۔

**تنافرِ کلمات:** چند کلمات کا کلام میں اِس طرح جمع ہوجانا کہ اُن کا تلفظ زُبان پر گراں ہو؛ اگر چہ وہ کلمات انفرادی طور پر فصیح کیوں نہ ہوں، جیسے: مِثْلُكَ يَجْهَدُ فِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرِيْعَةِ الغَرَّاءِ، اِس مضمون کو اِس مصرع سے تعبیر کیا: «فِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ»[2]۔

**ضُعْفِ تالیف:** کلام کی ترکیب مشہور قواعدِ نحویہ کے خلاف ہو، مثلاً: لفظاً اور رتبتاً اضمار قبل الذکر کا لازم آنا، جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

---

(۱) قولہ: (کثرتِ تکرار)، کسی چیز کو دوبار ذکر کرنا تکرار ہے جو غیر مخل ہے، اور تین مرتبہ ذکر کرنا "کثرتِ تکرار" کہلاتا ہے، یہ مخل بالفصاحت ہے۔

تتابعِ اضافت: یعنی کسی اسم کا اِس طرح مضاف ہونا کہ ایک مضاف دوسرے مضاف سے پے درپے ملا ہوا ہو، اور اِس سے کلام میں ثقل پیدا ہو؛ لیکن اگر وہ کلام باوجود تتابعِ اضافت کے ثقیل نہ ہوتو وہ مُخِل بالفصاحت نہ ہوگا، جیسے: فرمانِ الٰہی: ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُۥ زَكَرِيَّآ۝٢﴾ [مریم] نیز ﴿مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ﴾ [غافر:۳۱] میں تتابعِ اضافت، مخل بالفصاحت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اُن کی ادائیگی میں دشواری اور سُننے میں ناگواری معلوم نہیں ہوتی۔ (علم المعانی)

(۲) اسلامی شریعت کے عرش (شامیانہ، تخت سلطنت) کو بلند کرنے میں تجھ جیسا ہی کوشش کیا کرتا ہے۔ اِس کو اِس مصرع میں رفع، عرش اور شرع میں عین والے کلمات کے جمع ہونے سے اِس کا تلفظ دشوار ہوگیا ہے۔

ملحوظہ: تنافرِ حروف میں تنہا ایک کلمے کا تلفظ دشوار ہوتا ہے، جب کہ تنافرِ کلمات میں تنہا کلمات کا تلفظ دشوار نہیں ہوتا؛ بلکہ چند کلمات کی اجتماعی کیفیت سے تلفظ میں دشواری آتی ہے۔

وَلَوْ أَنَّ مَجْداً أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِدًا ۞ مِنَ النَّاسِ أَبْقىٰ مَجْدُه الدَّهْرَ مُطْعِماً(۱)

**تعقید:** کلام کا معنیٰ مرادی پر دلالت کرنے میں ایسا غیر واضح ہونا کہ معنیٰ مرادی پر واقفیت کے لیے غور وفکر کرنے اور ذہن کو تھکانے کی احتیاج ہو۔

پھر خلل کے واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں: تعقیدِ لفظی، تعقیدِ معنوی۔

**تعقیدِ لفظي:** کلام کے کلمات کو اپنی اصلی جگہوں سے مقدم ومؤخر کرنا، حذف بلاقرینہ کا ارتکاب کرنا، اِضمار قبل الذکر کا لازم آنا، اِسی طرح اجنبی سے فصل کرنا؛ جس کی وجہ سے کلام کا معنیٰ ومراد واضح نہ ہو، جیسے: مَا قَرَأَ وَاحِدًا نَدِيْمُ مَعَ كِتَابًا إِلاَّ أَخِيْه(۲).

**تعقیدِ معنوي:** کلام سے مراد لیے ہوئے معانیٔ مجازیہ یا معانیٔ کنائیہ سمجھنے میں پیچیدگی ہو، اِس طور پر کہ: متکلم معنیٔ مجازی یا معنیٔ کنائی کو ادا کرنے کے لیے عرب کے عرف وعادت اور اُن کے طریقۂ تعبیر کے خلاف ایسی تعبیر لائے جس میں ذہن معنیٔ اصلی سے معنیٔ مجازی یا کنائی کی طرف منتقل نہ ہو، جیسے: جاسوس کا معنیٰ ادا کرنے کے لیے مستعمل لفظ «عَيْنٌ» کے بہ جائے لفظِ «لِسَانٌ» کو ذکر

---

(۱) اگر زمانہ کسی کو بزرگی کی وجہ سے ہمیشہ ہمیش کی زندگی دیتا تو مطعم بن عدی کو دیتا۔ اِس جگہ «مَجْدُهُ» کی «ہ» ضمیر متصل بہ فاعل ''مطعم'' کی طرف لوٹ رہی ہے جو (مرجع) لفظاً اور رُتبتاً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے؛ حالاں کہ مشہور نحوی قاعدے کے اعتبار سے مرجع کا لفظاً یا رتبتاً مقدم ہونا ضروری ہے۔

(۲) یہ عبارت اصل میں مَا قَرَأَ نَدِيْمٌ مَعَ أَخِيْهِ إِلاَّ كِتَاباً وَاحِداً ہے؛ لیکن غیر مناسب ترتیب کی وجہ سے کلام کا مطلب واضح نہیں ہورہا۔

کرنا اور کہنا: نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِيْنَةِ[۱]؛ اِسی طرح «جُمودِ عين» (آنکھوں کا خشک ہونا) سے ''رنج وملال'' کا کنایہ کرنے کے بہ جائے ''مسرت وشادمانی'' کا کنایہ کرنا، عربوں کے استعمال اور اُن کے عرف وعادت کے خلاف ہے۔

## فصاحتِ متکلم

**فصاحتِ متکلم:** عمدہ تعبیرات اور بُلند اسالیب کے پڑھنے، منظوم ومنثور کلام کو رَٹنے اور کتابُ اللہ اور حدیثِ رسول کے حفظ کرنے اور سمجھنے سے ایسا ملکہ پیدا ہو، جس کی وجہ سے متکلم اپنے مقصود ومضمون کو فصیح الفاظ میں ادا کرنے پر بہ خوبی قادر ہو، خواہ کلام جس مضمون سے بھی متعلق ہو۔

ملاحظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ مجید مکمل (از اول تا آخر) فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے، اُس کے تمام کلمات تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت وکراہت سے خالی ہیں، اُس کا ہر جملہ تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور تعقیدِ لفظی ومعنوی سے خالی ہے۔

## بلاغت

**بلاغت:** (اصطلاحی تعریف) اُن ادبی قواعد کو جاننا ہے جن کے ذریعے متکلم

[۱] لفظ ''عین'' بول کر جاسوس مراد لینا تو مشہور ہے، اور قرینہ بھی ہے کہ جاسوسی کرنے والا آنکھ سے مدد لیتا ہے؛ لیکن ''زبان'' بول کر جاسوس مراد لینا اہلِ عرب کے محاورے میں مستعمل نہیں۔

عظیم واضح معنیٰ کو ایسی فصیح عبارت میں ادا کرنے پر قادر ہو جو مقتضائے حال کے مطابق ہو، محسّنات ذاتیہ وعرضیہ (ظاہری وباطنی خوبصورتی) سے مزیّن ہو [۱]۔

**موضوع:** الفاظ اور اُن کے معانی ہیں۔

**غرض وغایت:** موقع ومحل کے مطابق بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

اصطلاحِ بلغا میں بلاغت دو چیزوں سے متعلق ہے: بلاغتِ کلام، بلاغتِ متکلم۔

**بلاغتِ کلام:** کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہونا اور دل ودماغ پر اچھا اثر چھوڑنا [۲]۔

**بلاغتِ متکلم:** عمدہ ترکیبات اور بُلند تعبیرات کو بہ کثرت پڑھنے اور اُن میں غور وفکر کرنے سے متکلم میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم ہر کسی مضمون کو بلیغ کلام کے ذریعے تعبیر کرنے پر قادر ہوجائے [۳]۔

---

① بلاغت: (لغوی معنیٰ) وصول اور انتہا کے ہے، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ [الكهف:٦١]. ترجمہ: پھر جب پہنچے دونوں دریا کے مِلاپ تک، بھول گئے اپنی مچھلی۔

② حال: وہ امر (موقع ومحل) ہے جو متکلم کو مخصوص انداز میں عبارت لانے پر اُبھارے۔ اِس کا دوسرا نام ''مقام'' ہے۔

مُقتَضا: کلام کرنے کا وہ مخصوص انداز جس کا حال نے تقاضا کیا ہے کہ اِس موقع پر کلام ہو تو ایسا ہو۔ اِس کا دوسرا نام ''اعتبارِ مناسب'' بھی ہے۔

مطابقت: حال کی رعایت کرتے ہوئے کلام کو مخصوص انداز میں پیش کرنا، جیسے: مخاطب کسی بات کا انکار کررہا ہو تو اِس کا تقاضا یہ ہوا کہ اُس کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں لایا جائے۔

دیکھو! یہاں مخاطب کا انکار ایک ''حال'' ہے؛ کیوں کہ اُسی نے کلام میں تاکید لانے پر اُبھارا ہے، تاکید ''مقتضا''، اور منکِر کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں پیش کرنا ''مطابقت'' کہلائے گا۔ =

# علومِ بلاغت

## علمِ بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: ① علمِ معانی ② علمِ بیان ③ علمِ بدیع [۱]۔

= ③ فائدہ: تنافرِ حروف اور تنافرِ کلمات ذوقِ سلیم کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں، اور مخالفتِ قیاسِ لغوی ''علمِ صَرف'' سے، اور غرابت ''لغات'' اور کلامِ عرب پر ''بہ کثرت واقفیت'' سے، اور ضعفِ تالیف وتعقیدِ لفظی ''علمِ نحو'' سے، اور تعقیدِ معنوی ''علمِ بیان'' سے، اور اَحوال واُن کے مقتضیات ''علمِ معانی'' سے پہچانے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: فصیح وبلیغ کلام کرنے کے لیے فنونِ خمسہ (نحو، صرف، لغت، بیان اور معانی) کا جاننا اور فُصحائے عرب کے کلام کو بہ کثرت پڑھنا ضروری ہے۔

① معلوم ہونا چاہیے کہ: کلام کو احوال کے مقتضیات کے مطابق لانا ''علمِ معانی'' سے حاصل ہوتا ہے، اور ایک ہی معنیٰ کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) کے ذریعے تعبیر کرنے کے اصول وضوابط ''علمِ بیان'' سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے: اگر متکلم زید کے سخی ہونے کے مفہوم کو صراحتاً بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ یوں کہے گا: زَيْدٌ جَوَّادٌ، زَيْدٌ فَيَّاضٌ؛ اور اگر وہ اُسی مفہوم کو صریحی اسلوب کے علاوہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ تشبیہ کے اسلوب میں زَيْدٌ كَالبَحْرِ فِيْ الجُوْد، زَيْدٌ بَحْرٌ فِيْ الجُوْدِ، زَيْدٌ كَالبَحْرِ اور زَيْدٌ بَحْر وغیرہ عبارات سے تعبیر کرے گا، اور مجاز کے اسلوب میں رَأَيْتُ بَحْراً فِيْ دَارِ زَيْدٍ، رَأَيْتُ بَحْراً يُخَاطِبُ النَّاسَ وغیرہ کہے گا، اور کنایے کے اسلوب میں زَيْدٌ كَثِيْرُ الرَّمَادِ، زَيْدٌ جَبَانُ الكَلْبِ کہہ کر تعبیر کرے گا۔

دیکھیے! متکلم نے ایک ہی مفہوم (زید کے سخی ہونے) کو چار مختلف اسالیب (صریحی، تشبیہی، مجازی اور کنائی) میں بیان کیا ہے، جن میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلہ میں معنیٔ مرادی (زید کی سخاوت) پر دلالت کرنے میں بہ حیثیتِ وضاحت مختلف ہیں۔

''علمِ بیان'' میں تین چیزوں کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے: استعارہ، مجاز اور کنایہ؛ لیکن استعارہ کو سمجھنے کے لیے تشبیہ کا سمجھنا ضروری ہے، بہ ایں وجہ ''علمِ بیان'' میں طردُ اللباب تشبیہ سے بھی بحث کی جاتی ہے۔

**ملحوظہ:** علمِ معانی اور علمِ بیان سے کلام میں ''ذاتی حسن'' پیدا ہوتا ہے، جب کہ علمِ بدیع سے ''حسنِ عارضی'' پیدا ہوتا ہے۔

# علمِ معانی

**علم معانی:** وہ علم ہے جس کے ذریعہ عربی لفظ (مفرد ومرکب) کے وہ احوال معلوم ہوں جن احوال کے ذریعے کلام مقتضائے[1] حال (مخاطب کی حالت کے تقاضے) کے مطابق ہوجائے۔

**موضوع:** مقتضائے حال کے مطابق بُلَغا کی استعمال کی ہوئی ترکیبیں اور عبارتیں۔

**غرض وغایت:** ① قرآنِ مجید کے اعجاز کو سمجھنا ② عربی نظم ونثر میں موجود فصاحت وبلاغت پر واقفیت حاصل کرنا ③ معنیٔ مرادی کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ رہنا۔

علمِ معانی کے آٹھ ابواب ہیں: ① خبر وانشاء ② تعریف وتنکیر ③ تقدیم وتاخیر ④ ذکر وحذف ⑤ اطلاق وتقیید ⑥ قصر ⑦ وصل وفصل ⑧ ایجاز اطناب ومساوات۔

**ملحوظہ:** زیرِ نظر کتاب میں بھی اِسی ترتیب سے ابواب درج ہیں۔

---

① احوال کے مقتضیات بدلنے سے کلام کی صورتیں مختلف ہوجاتی ہیں، جیسے بچوں کو زندہ درگور کرنے والے مفلسین سے خطاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَوْلَـٰدَكُم مِّنْ إِمْلَـٰقٍ، «نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ»﴾ [الأنعام:۱۵۱]، اور جب کچھ مالدار لوگ جو افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کردیتے تھے، ان سے خطاب کرنے کا موقع آیا تو ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ، «نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ»﴾ [بني إسرائيل:۳۱]

خلاصۂ کلام: دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہی ہے؛ لیکن مخاطبین کے بدلنے سے ﴿نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ﴾ اور ﴿نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ﴾ کے اسلوب میں فرق ہوا ہے۔

# علمِ بیان

**علمِ بیان:** وہ علم ہے جس کے ذریعے ایک معنی ومفہوم کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) سے ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہو جائے، جن میں سے بعض طریقے معنئ مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہوں۔

**موضوع:** الفاظ عربیہ ہیں بہ اعتبارِ تشبیہ، مجاز اور کنایہ؛ تعقیدِ لفظی ومعنوی سے خالی کلامِ بلیغ اور اسالیبِ مختلفہ خواہ وہ اسالیب بہ صورتِ تشبیہ ہوں یا بہ صورتِ مجاز وکنایہ۔

**غرض وغایت:** قرآنِ مجید کے اعجاز پر واقفیت حاصل کرنا اور کلامِ عربی کے اسرار ورموز سے واقف ہونا۔

**ملحوظہ:** علمِ بیان میں تین چیزوں سے بحث کی جاتی ہے: ① تشبیہ ② مجاز ③ کنایہ۔

# علمِ بدیع

**علمِ بدیع:** وہ علم ہے جس کے ذریعے فصیح وبلیغ کلام میں حُسن پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

کلام میں حُسن پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں، جن کو "محسّنات جوہریہ ومحسّنات عرضیہ" سے تعبیر کر سکتے ہیں، یا "محسناتِ اصلیہ ومحسناتِ ضمنیہ" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

محسنات جوہریہ کے طریقے تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ، ایجاز، اقسام اطناب اور مساوات ہیں، جن کا ذکر بُلَغا حضرات علمِ بیان ومعانی کے ضمن میں کرتے ہیں۔

اور محسناتِ عرضیہ کی دوصورتیں ہیں: محسناتِ لفظیہ، محسناتِ معنویہ؛ جن کا بیان ''علم البدیع'' میں کیا جاتا ہے۔

**مُحَسِّنَاتِ مَعْنَوِیَّہ :** وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ معانیٔ کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ طرُق متعدد ہیں۔

**محسِّناتِ لفظیہ :** وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ الفاظِ کلام میں حُسن پیدا کیا جائے؛ یہ بھی متعدد ہیں۔

# علمِ معانی

# علمِ معانی کے ابواب اور اِجرا کا طریقہ

عربی الفاظ کے احوال میں تین چیزیں داخل ہیں:

① اجزائے جملہ کے احوال ② ایک جملے کے احوال ③ متعدد جملوں کے احوال۔

۱-اجزائے جملہ کے احوال تین ہیں: مسند، مسندالیہ اور متعلقاتِ فعل میں سے کسی جزوِکلام کو: ① معرفہ یا نکرہ لانا ② مقدم ومؤخر کرنا ③ ذکر وحذف کرنا۔

۲-ایک جملے کے احوال تین ہیں: ④ جملے کو خبر یا انشائی صورت میں لانا ⑤ مطلق ومقید کرنا ⑥ قصر کا اسلوب اختیار کرنا۔

۳-متعدد جملوں کے احوال دو ہیں: ⑦ وصل وفصل کرنا ⑧ ایجاز واطناب یا مساوات اختیار کرنا[1]۔

---

[1] اجرائے بلاغت کا طریقہ: آیتِ قرآنی یا حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بلاغت کا اِجرا کرنے کے لیے اوّلاً جملے کی نحوی ترکیب کرلیں؛ تاکہ رُکنین (مسند ومسندالیہ) اور قیودات معلوم ہوجائیں، نیز جملے کا انشائی یا خبری اُسلوب طے ہوجائے۔

چناں چہ پہلے خبر وانشاء کا اجرا کرلیں گے، پھر رُکنین کی تعریف وتنکیر، تقدیم تاخیر اور ذکر وحذف کی وجہ بیان کریں گے؛ اِس کے بعد جملے میں اطلاق وتقیید اور ذکرِ قیودات کی وجہ اور اسلوبِ قصر کا اِجرا کریں گے؛ اِس کے بعد دو جملوں کے درمیان کے وصل وفصل کو ذکر کرتے ہوئے اِیجاز، اِطناب مع وجہ اور مساوات کی تعیین کریں گے۔

# بابِ اوّل: در خبر و انشاء

کلام کی دو قسمیں ہیں: ① خبر ② انشاء۔

**خبر:** وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں، جیسے: ﴿وَإِذَا لَقُواْ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قَالُوٓاْ: «ءَامَنَّا»، وَإِذَا خَلَوۡاْ إِلَىٰ شَيَٰطِينِهِمۡ قَالُوٓاْ: «إِنَّا مَعَكُمۡ»﴾(۱) [البقرة: ١٤].

**اِنشاء:** وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں، جیسے: ﴿ٱذۡهَب بِّكِتَٰبِي هَٰذَا فَأَلۡقِهۡ إِلَيۡهِمۡ﴾(۲) [النمل:٢٨]

## ارکانِ جملہ

خبر و انشاء میں سے ہر ایک کے دو بنیادی رکن ہیں: ① محکوم علیہ ② محکوم بہ؛ اِن دونوں کو ''رُکنین'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور اِن کے علاوہ کو ''قیودات'' کہتے ہیں۔

**محکوم علیہ:** وہ اسم ہے جس پر کسی دوسرے اسم کا حکم لگایا جائے، اِسی کو ''مسندالیہ'' بھی کہتے ہیں(۳)۔

**محکوم بہ:** وہ اسم یا فعل ہے جس سے کسی دوسرے اسم پر حکم لگایا جائے؛

---

① دیکھیے! یہاں منافقین کا قول: ﴿ءَامَنَّا﴾ جھوٹ ہے اور اُن کا قول: ﴿إِنَّا مَعَكُمۡ﴾ سچ ہے۔

② ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے کہا: میرا یہ خط بلقیس کے پاس لے جاؤ اور اُن کے پاس ڈال دینا۔

③ محکوم علیہ (مسندالیہ) کے مواضع: فاعل، نائب فاعل، وہ مبتدا جس کی خبر آتی ہے، ظَنّ اور اُس کے اخوات کا مفعولِ اول، أرٰی اور اُس کے اخوات کا مفعولِ ثانی اور اسمائے نواسخ۔

اِسی کو ’’مسند‘‘ بھی کہتے ہیں، جیسے: ﴿ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ﴾ [الإخلاص]؛ ﴿يُسَبِّحُ ٱلرَّعۡدُ بِحَمۡدِهِۦ﴾ [الرعد:۱۳] میں ﴿ٱللَّهُ﴾، ﴿ٱلرَّعۡدُ﴾ مسند الیہ ہیں؛ اور ﴿ٱلصَّمَدُ﴾، ﴿يُسَبِّحُ﴾محکوم بہ اور مسند ہیں(۱)۔

**قیود:** کلام میں رُکنین (مسند، مسند الیہ) کے علاوہ دوسرے کلمات کو ’’قیود‘‘ کہتے ہیں، بہ شرطے کہ وہ کلمات، ارکان میں سے کسی کا مضاف الیہ یا صلہ نہ ہوں(۲)۔

## اقسامِ جملۂ خبریہ

خبر کی دو قسمیں ہیں: جملہ فعلیہ، جملہ اسمیہ۔

**جملہ فعلیہ:** وہ جملہ ہے جس کا پہلا جز فعل ہو؛ اِس سے دو فائدے

---

(۱) محکوم بہ (مسند) کے مواضع: فعل، اسمِ فعل، مبتدا کی خبر، وہ مبتدا جس کی خبر نہیں ہوتی (یعنی: مبتدا کی قسمِ ثانی)، جیسے: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، ظَنَّ اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثانی، أَرٰى اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثالث اور عواملِ نواسخ کی خبریں۔

ملاحظہ: مسند اور مسند الیہ کو جاننے کے لیے پہلے اسناد کو سمجھنا چاہیے کہ، اسناد: ایک کلمہ کو دوسرے کلمے سے ایسا ملانا کہ ایک کلمے کا مفہوم دوسرے کے لیے ثابت ہو، یا ایک کے مفہوم کی دوسرے کلمے کے مفہوم سے نفی ہو، جیسے: شكر بلال، ولم يشكر أبو جهل، میں حضرت بلال کے لیے شکر کے مفہوم کا اثبات ہے، تو ابوجہل کے لیے شکر کی نفی ہے؛ چناں چہ بلال وابوجہل کو ’’مسند الیہ‘‘، شکر اور لم یشکر کو ’’مسند‘‘، اور دونوں کلموں کے درمیانی جوڑ کو ’’نسبت‘‘ کہتے ہیں۔ (علم المعانی)

(۲) قیودات یہ ہیں: ادواتِ شرط، ادواتِ نفی، مفاعیل، حال، تمیز، توابع اور عواملِ نواسخ، جیسے: ﴿وَمَا «مُحَمَّدٌ» إِلَّا «رَسُولٌ»، قَدۡ «خَلَتۡ» مِن قَبۡلِهِ «ٱلرُّسُلُ»﴾ [آل عمران:۱٤٤]

ملاحظہ: ہاں! ’’مضاف الیہ‘‘ مضاف کے حکم میں اور ’’صلہ‘‘ اسم موصول کے حکم میں ہوں گے۔

حاصل ہوتے ہیں: ① افادۂ حدوث ② استمرارِ تجدُّدی[1]۔

**جملہ اسمیہ:** وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء اسم ہو، خواہ دوسرا جزء اسم ہو یا فعل؛ اِس سے بھی دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ثبوتِ مسند للمسند الیہ، اِستمرار[2]۔

---

① افادۂ حدوث: یعنی اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں فعل کے واقع ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ فائدہ جملہ فعلیہ سے ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے، اِس کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں، جیسے: ﴿هُوَ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ﴿٣٣﴾﴾ [التوبة].

دیکھیے! محمد ﷺ کو رسول بنانا، اِس فعل کا وقوع ایک مرتبہ ہوا ہے، نیز تمام باطل ادیان کو مغلوب کرنا بھی قربِ قیامت میں ایک مرتبہ ہوگا۔

استمرارِ تجدُّدی: یعنی کسی فعل کے ہمیشہ اور بار بار پائے جاتے رہنے کا فائدہ دیوے، اور یہ فائدہ اُس وقت حاصل ہوگا جب کہ اُس میں پائے جانے والا فعل، فعلِ مضارع ہو، جیسے: ﴿يَرۡزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ فَأَنَّىٰ تُؤۡفَكُونَ﴿٣﴾﴾ [فاطر]؛ ﴿ٱللَّهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَ«يَمُدُّهُمۡ» فِي طُغۡيَٰنِهِمۡ يَعۡمَهُونَ﴿١٥﴾﴾ [البقرة]

دیکھیے! اللہ پاک کا آسمان وزمین سے مخلوقات کو روزی دینا اور منافقین کے تمسخر پر اُن کو سزا دینا بار بار ہوتا رہتا ہے۔

② ثبوتِ مسند برائے مسند الیہ: مسند کا مسند الیہ کے لیے بغیر کسی قید کے ثابت ہونے کا فائدہ دینا، جیسے: ﴿ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِۛ﴾؛ ﴿مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ﴾؛ یہ فائدہ ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے، اِس کے لیے بھی کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

استمرار: مسند الیہ کے لیے مسند کے ثبوت میں دوام (ہمیشگی) کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جب کہ خبر صیغۂ صفت ہو، جیسے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ﴾: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؛ یہ دوام کی مثال ہے۔ اور جب خبر فعل ہو تو استمرار وتجدُّد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جیسے: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلۡأَنفُسَ حِينَ مَوۡتِهَا﴾ [الزمر:٤٢]؛ یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے جیسے موت میں، اب اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی تو وہی موت ہے۔

# خبر کی اغراضِ حقیقیہ

خبر دینے کی بنیادی اغراض (اغراضِ حقیقیہ) دو ہیں: ① فائدۃ الخبر ② لازمِ فائدۃ الخبر۔

① **فائدۃ الخبر:** مخاطب کو حکمِ شرعی وغیرہ سے مطلع کرنا؛ یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اُس حکم سے ناواقف ہو، جیسے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے کہنا: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا «لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ»﴾ [یوسف].

② **لازمِ فائدۃ الخبر:** مخاطب کو اِس بات کی اطلاع دینا مقصود ہو کہ خبر کے حکم کو جس طرح آپ جانتے ہیں، مَیں (متکلم) بھی جانتا ہوں؛ اور یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اُس حکم سے واقف ہو، جیسے: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[1] [یوسف].

# اقسامِ فائدۃ الخبر

فائدۃ الخبر کی تین قسمیں ہیں: ① خبرِ ابتدائی ② خبرِ طلبی ③ خبرِ انکاری[2]۔

① قیامت تک آنے والی انسانیت کی روحانی غذا کے لیے قرآن جیسی عظیم الشان کتابِ ہدایت کو نازل کیا گیا اور اُس کے لیے پُرشوکت عربی زبان کا انتخاب ہوا یہ تو سب جانتے ہی تھے؛ پھر بھی ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا...﴾ سے خبر دینا "لازمِ فائدۃ الخبر" کے قبیل سے ہے اور ﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ سے خبر دے کر بتلایا کہ: اے عربو! تم اِس کتاب کے اولین مخاطب ہو! اور تمھارے ذریعے اُس کی روشنی چاروں طرف پھیلے گی، یہ "فائدۃ الخبر" کے قبیل سے ہے۔

② جب متکلم اپنے مخاطب کے سامنے کسی حکم کو واضح اور ظاہر کرنا چاہے تو اُس کا برتاؤ ایسا ہونا چاہیے =

① **خبرِ ابتدائی:** وہ خبر ہے جو حکم کے مضمون سے خالی الذہن مخاطب کے سامنے بغیر تاکید کے پیش کی جائے، جیسے: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ ءَامَنُوا قَالُوٓا «ءَامَنَّا»﴾ [البقرة:١٤]

② **خبرِ طلبی:** وہ خبر ہے جو مؤکّدِ استحبابی کے ذریعے ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جائے جو مضمون کے سلسلے میں متردّد ہو، جیسے: ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَٰطِينِهِمْ قَالُوٓا: «إِنَّا مَعَكُمْ» إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ﴾[1] [البقرة]

③ **خبرِ انکاری:** وہ خبر ہے جو منکرِ حکم کے سامنے ایک مؤکّدِ وجوبی یا چند مؤکِدات سے مزین کرکے پیش کی جائے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کو اہلِ انطاکیہ نے اول بار جھٹلایا تب اُنہوں نے إِنَّ اور جملے کو اسمیت کی صورت میں لاکر فرمایا: ﴿إِنَّآ إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ﴾ اوردوبارہ فرمایا: ﴿رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ﴾ [یٓس]؛ اِس خبر کو قسم، ﴿يَعْلَمُ﴾، إِنَّ، لامِ تاکید اور اسمیت الجملہ سے مؤکّد فرمایا۔

ملاحظہ: متکلم اپنے مخاطب کو دیکھے کہ وہ حکم سے خالی الذہن ہے، یا متردد ہے، یا حکم کا منکر ہے؟ مخاطب کی تعیین کے بعد اوّل کے لیے خبرِ ابتدائی، ثانی کے لیے

---

= جیسا طبیب کا اپنے مریض سے برتاؤ، جیسے طبیب مریض کے حالت کی تشخیص کرتا ہے اور اُس کے مناسب علاج تجویز کرتا ہے؛ بالکل اِسی طرح متکلم اپنے مخاطب کے سامنے ضرورت کے بہ قدرِ ضرورت کلام پیش کرے، نہ زائد کلام کرے کہ عبث ہوجائے، اور نہ ہی ناقص کرے کہ مخل بالمقصود ہو۔

(۱) حکم میں تاکید پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں: إن، أنّ، لامِ ابتدائی، قسم، نونِ تاکید، حروفِ تنبیہ، حروفِ زوائد، قد، ضمیرِ فصل، تقدیم ماحقہ التاخیر، خبر کو مکرّر لانا وغیرہ۔

خبرِ طلبی اور ثالث کے لیے خبرِ انکاری لانا ''مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا'' کہلاتا ہے، جب کہ اِس کے برخلاف کلام کرنا ''خلافِ مقتضائے ظاہر'' کہلاتا ہے؛اِس کا بیان ''تتمۂ علمِ معانی'' میں آرہا ہے۔

## خبر کی اغراضِ مجازیہ

خبر بیان کرنا،کبھی بنیادی اغراض (فائدۃ الخبر، لازمِ فائدۃ الخبر) کے علاوہ اغراضِ مجازیہ کے لیے-بہ حیثیتِ مجازِ مرسَل مرکب-بھی ہوتا ہے جب کہ معانیٔ مجازیہ مراد لینے پر قرائن پائے جائیں؛وہ اَغراض حسبِ ذیل ہیں:

اِسْتِرْحَام، إظْهَار الضُّعْف، تَوْبِيْخ، تَحْرِيْض، تَسْلِيَة.

① **استرحام:** مہربانی اور شفقت کا خواستگار ہونا، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَآ أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾﴾[1] [القصص].

② **اِظہارِ ضُعف:** ضعف وکمزوری کوظاہر کرنا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّي وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾﴾[2] [مريم]

③ **توبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اِظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے: ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُم

---

① حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلانے کے بعد فرمایا: باری تعالیٰ مَیں تیری طرف سے رحم وکرم کا ہمہ وقت محتاج ہوں۔

② ترجمہ: اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں تو کمزور ہوگئی ہیں۔ یہاں خبر سے اپنے ضعف اور اللہ عزوجل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار مقصود ہے۔(علم المعانی)

مُّوسَىٰ بِٱلْبَيِّنَٰتِ، ثُمَّ ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ﴿٩٢﴾﴾ [البقرة](1).

④ **تحریض:** مخاطب کو کسی کام میں محنت اور کوشش کرنے پر ابھارنا، جیسے:
﴿فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ﴿٩٥﴾﴾(2)[الحجر].

⑤ **تسلیہ:** مخاطب کو تسلی دینا، جیسے: ﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ «فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ»، وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ﴿٤﴾﴾(3) [الفاطر]

---

① یعنی موسیٰ جب چند دن کے لیے کوہِ طور پر گئے تو اُتنے ہی میں بَچھڑے کو معبود بنالیا! ''اُس وقت تمھارا موسیٰ پر ایمان کہاں جاتا رہا''۔
② یعنی: جو حکم آپ کو ہوا ہے وہ کھول کر سنا دیجیے اور مشرکین کی پروا نہ کیجیے! ''ہم تمھاری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو کافی ہیں''۔
③ انبیائے سابقین کو جھٹلانے کی خبر دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا اور صبر پر اُبھارنا مقصود ہے۔ (بیضاوی)

# اِنشا و اقسامِ اِنشائے طلبی

انشاء کی دو قسمیں ہیں: ① انشائے طلبی ② انشائے غیر طلبی۔

**انشاءِ طلبی:** وہ کلامِ انشا ہے جو ایسے مطلوب کو چاہے جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو، جیسے: ﴿وَٱصۡنَعِ ٱلۡفُلۡكَ بِأَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا﴾[1] [ھود: ۳۷]

انشائے طلبی کی چھ قسمیں ہیں: ① امر ② نہی ③ استفہام ④ تمنی ⑤ ترجی ⑥ ندا۔

**انشاءِ غیر طلبی:** وہ کلامِ انشا ہے جو کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو، جیسے: ﴿وَٱلۡفَجۡرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۝٢﴾[2] [الفجر]

ملاحظہ: انشائے غیر طلبی کی سات قسمیں ہیں: ① تعجب ② قَسم ③ صِیَغ عقود ④ افعالِ رجاء ⑤ افعالِ مدح وذم ⑥ رُبّ اور کم خبریہ؛ لیکن بلغا اِس سے بحث نہیں کرتے۔

## فصلِ اوّل: بیانِ امر

**امر:** کسی بلند رُتبہ کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رُتبے سے کسی ایسی چیز کے لازمی طور پر وجود میں لانے کا مطالبہ کرنا جو طلب کے وقت نہ ہو، جیسے: ﴿فَٱصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ۝٩٤﴾[3] [الحجر]

---

① ترجمہ: تم ایک کشتی ہمارے رُوبرو (ہماری حفاظت ونگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو؛ (کیوں کہ عنقریب پانی کا سخت طوفان آنے والا ہے)۔

② دیکھیے! اللہ پاک نے اہمیت بتانے کے لیے آیت میں یومِ قربانی کی فجر اور عشرۂ ذی الحجہ کی قسم اٹھائی ہے۔

③ ترجمہ: جو احکام آپ کی طرف نازل ہوئے ہیں اُن کو کہنے میں کوتاہی نہ کیجیے، خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچائیے، مشرکین آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

ملاحظہ: امر کے چار صیغے ہیں: ① فعلِ امر ② فعلِ مضارع مقرون بہ لامِ اُمر ③ اسمِ فعلِ اُمر ④ مصدر جو فعلِ امر کا قائم مقام ہو۔

## امر کے معانیٔ مجازیہ

صیغۂ امر کبھی اپنے حقیقی معنیٰ کے علاوہ دوسرے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جب کہ قرائن پائے جائیں؛ اُن میں سے چند یہ ہیں:

① الدُّعَاء ② الالِتمَاس ③ التَمَنِّي ④ التَهْدِيْد ⑤ التَعْجِيْز ⑥ التَّسْوِيَة ⑦ الإبَاحَة ⑧ النُّصْح والإرْشَاد.

① **دعا**: بندے کا تواضع اور نہایت عاجزی سے باری تعالیٰ کے حضور سوال کرنا، جیسے: ﴿قَالَ رَبِّ ٱشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَٱحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا۟ قَوْلِي ﴿٢٨﴾﴾(۱) [طٰہٰ].

② **التماس**: مرتبے میں ہم پلّہ آدمی سے- بِلا تواضع و بلندی کے- نرمی کے ساتھ کسی چیز کا سوال کرنا، جیسے: ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَٰرُونَ ٱخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ﴾(۲) [الأعراف:١٤٢]

---

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ! تُو میرے سینے کو کشادہ فرما، اور میرا کام آسان فرما، اور میری زبان سے گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھے!

(۲) ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ: میرے پیچھے تم میرے قائم مقام بن جانا! تمام معاملات درست رکھنا۔

دیکھیے! یہاں «ٱخْلُفْنِي» امر کا صیغہ ضرور ہے؛ لیکن وہ اپنے معنیٔ حقیقی (طلب علی وجہ الاستعلاء) میں مستعمل نہیں ہے؛ کیوں کہ مخاطب، متکلم کا مساوی ہے۔

③ **تمنی:** غیر مقدور (غیر ممکن الحصول) یا غیر متوقع امر محبوب ومرغوب کو طلب کرنا، جیسے: ﴿رَبَّنَآ أَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَإِنۡ عُدۡنَا فَإِنَّا ظَٰلِمُونَ﴾[1] [المؤمنون]

④ **تہدید:** مامور بہٖ سے عدمِ رضامندی کے موقع پر تہدید (ڈرانا اور دھمکانا) مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَجَعَلُواْ لِلَّهِ أَندَادٗا لِّيُضِلُّواْ عَن سَبِيلِهِۦۗ قُلۡ «تَمَتَّعُواْ» فَإِنَّ مَصِيرَكُمۡ إِلَى ٱلنَّارِ﴾[2] [إبراهيم]

⑤ **تعجیز:** کسی کام کے کرنے پر قادر ہونے کے دعوے دار کو محض عاجز اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے حکم دینا؛ حالاں کہ وہ کام اُس کے بس میں نہ ہو، جیسے: ﴿وَإِن كُنتُمۡ فِي رَيۡبٖ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلَىٰ عَبۡدِنَا فَـ«أۡتُواْ» بِسُورَةٖ مِّن مِّثۡلِهِۦ﴾[3] [البقرة: ۲۳]

⑥ **تسویہ:** دو امروں (معاملوں) میں سے ایک کے دوسرے پر راجح ہونے کے گمان کے موقع سے دونوں ہی امروں کا برابری کے ساتھ حکم دینا، جیسے:

---

① مثلاً: کفار جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے؛ لیکن اُن کا جہنم سے خروج امرِ محال ہے جس کو وہ بھی جانتے ہوں گے؛ لہٰذا یہ درخواست صرف تمنا کے قبیل سے ہوگی۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: تمنی کا معنیٰ اُس وقت بھی مراد لیا جاسکتا ہے جب کہ کام کے کرنے کا مطالبہ کسی غیر عاقل سے کیا جائے، جیسے: يَا لَيْلُ! طُلْ، وَيَا نَوْمُ! زُلْ، اے رات! لمبی ہوجا، اور اے نیند! چلی جا۔

② اللہ پاک مشرکین سے فرماتے ہیں کہ: چند روز جی خوش کرلو اور دنیا کے مزے اُڑا لو، پھر دوزخ میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہاں مشرکین کو سرکشی پر ڈانٹنا مقصود ہے، امتثال مقصود نہیں!۔ (علم المعانی)

③ یعنی: جب تم باوجود کمالِ فصاحت وبلاغت کے چھوٹی سورت کے مقابلے سے عاجز ہوجاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے؛ کسی بندے کا ہرگز نہیں!

﴿قُلْ ءَامِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوٓا۟ ۚ﴾[1] [بني إسرائيل:۱۰۷]

⑦ **اِباحت:** سامع کو کسی کام کی مُمانعت کا وہم ہو ایسے موقع پر کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دینا؛ قرآن مجید میں امر کو اِباحت کے لیے بہ کثرت استعمال فرمایا گیا ہے، جیسے: ﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ۖ﴾[2] [البقرة: ۱۸۷].

⑧ **نصح وارشاد:** مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی رہنمائی کرنا جس میں مامور کا فائدہ ہو، جیسے: ﴿يَٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾﴾[3] [لقمان].

---

① ترجمہ: آپ (اِن کافروں سے) کہہ دو کہ: چاہے تم اِس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جب یہ قرآن اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اِس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔

② یعنی جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی ہے اِسی طرح رمضان کی رات میں صبح صادق تک تم کو کھانے پینے کی بھی اجازت ہے۔

③ اِس مثال پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ: آیت میں مامور بہ چیزیں نماز اور امر بالمعروف وغیرہ تو واجب ہیں؛ لہٰذا امر بھی وجوب کے لیے ہے؛ کیوں کہ اگر یہ اوامر مقامِ امر میں استعمال کیے جائیں تو وجوب کے لیے ہوں گے؛ لیکن یہاں اُن ہی اوامر کو حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی نقل کیا جارہا ہے؛ لہٰذا مقام کا تقاضہ خیر خواہی اور رہنمائی کرنا ہوگا۔ (علم المعانی)

نصح وارشاد کے قبیل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: لا يَمشِيَنَّ أحدُكم في نَعلٍ واحدٍ، «لِيَنعَلْهما جميعًا أو لِيحفهما جميعا». (شمائل ترمذي)

# فصلِ ثانی: بیانِ نہی

**نہی:** بلند رتبے کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رتبہ کو کسی کام کے کرنے سے علی سبیل الالزام روکنا؛ یہ نہی کا معنیٔ حقیقی ہے، جیسے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ (۱) [البقرۃ:۱۸۷]

## نہی کے معانیٔ مجازیہ

صیغۂ نہی کبھی اپنے حقیقی معنیٰ کے علاوہ مجازی معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے جب کہ قرائن پائے جائیں؛ اُن میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں:

(۱) الدُّعَاء (۲) الالْتِمَاس (۳) التَّهْدِيْد (۴) النُّصْحُ والاِرْشَاد.

**دعا**، جیسے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦ﴾ (۲) [البقرۃ: ۲۸۶].

---

(۱) ترجمہ: یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں، اِن سے ہرگز باہر نہ نکلنا؛ بلکہ اِن کے قریب بھی نہ جانا۔

(۲) جب نہی کا صیغہ ادنیٰ کی طرف سے اعلیٰ کے حضور نہایت ہی عاجزی سے صادر ہو تو وہ ''دعا'' کے معنیٰ میں ہوگا۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے! اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اُس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا؛ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔

دیکھیے! مؤمنین کا تضرُّع اور عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے گڑگڑانے سے مقصود دعا کرنا ہے۔

② **اِلتماس:** دو ہم عمر یا ہم رُتبہ میں سے ایک کا دوسرے کو بدونِ استعلا اور بغیر تواضع وانکساری کے (نرمی کے ساتھ) روکنا، جیسے: ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ﴾ (١) [طٰهٰ: ٩٤]

③ **تہدید:** کسی بری حرکت سے باز نہ آنے پر مخاطب کو دھمکانا، جیسے: ﴿لَا تَعْتَذِرُواْ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ﴾ (٢) [التوبة: ٦٦]

④ **نصح وارشاد:** مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی رہنمائی کرنا جس میں مخاطب کا فائدہ ہو، جیسے: ﴿وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُۚ فَلْيَكْتُبْ ﴿٢٨٢﴾﴾ (٣) [البقرة].

## فصل ثالث: بیانِ استفہام

**استفہام:** کسی چیز کے علم کو مخصوص اَدات کے ذریعے طلب کرنا جو پہلے سے حاصل نہ تھا، جیسے: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (٤) [الكهف: ٧٤]

---

(١) یہاں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں قدر ومنزلت میں مساوی تھے؛ لہٰذا استعلاء والزام اور عاجزی ومسکنت مراد نہیں ہے؛ بلکہ التماس مراد ہے۔ (علم المعانی)

(٢) منافقین کو دھمکایا گیا کہ: حق وصداقت کی پیروی کرو! طغیان وسرکشی سے باز رہو! جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالے کرنے سے کچھ فائدہ نہیں!

(٣) یعنی جب کوئی ادھار کا معاملہ ہو تو مدیون اُس کی تفصیل خود لکھ دے یا کسی کاتب سے لکھوا دے؛ اور کاتب کو چاہیے کہ بلا انکار انصاف کے مطابق لکھ دے جیسا کہ اللہ پاک نے اُس کو سکھایا ہے۔

(٤) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ایک لڑکے کو مار ڈالنے پر دریافت کیا کہ: اوّل تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، اِس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا کوئی قصہ بھی نہ تھا؛ تو آخر اُس لڑکے کو مار ڈالنے کی کیا وجہ؟۔ (فوائد بزیادۃ)

**طلبِ تصوُّر، طلبِ تصدیق:** کسی ایسی چیز (جزوِ جملہ یا نسبتِ جملہ) کے متعلق جانکاری طلب کرنا جس کی واقفیت نہ ہو؛ پھر اگر دو چیزوں کے درمیان وُقوع یا لاوقوعِ نسبت کا سوال ہے تو اُسے ''طلبِ تصدیق'' کہتے ہیں اور جواب ''نعم'' یا ''لا'' سے ہوگا؛ لیکن اگر نسبت کا یقین ہو، اور سوال کسی جزوِ جملہ کے بارے میں ہو تو اُسے ''طلبِ تصور'' کہتے ہیں اور جواب تعیین کے ساتھ ہوگا[1]۔

استفہام کے کل ادوات یہ ہیں: (۱) همزة الاستفهام، (طلبِ تصوُّر وتصدیق) (۲) هلْ (طلبِ تصدیق) (۳) مَا (۴) مَنْ (۵) مَتیٰ (۶) أَيَّانَ (٦) كَيْفَ (۷) أَيْنَ (۸) أَنّٰى (۹) كَمْ (۱۰) أَيٌّ (طلبِ تصور)۔

مستفہَم عنہ (جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کے اعتبار سے

---

(۱) طلبِ تصور: اجزائے جملہ میں سے کسی ایک (مفرد) کی بابت دریافت کرنا، جب کہ سائل کو حکم (یعنی: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت) کا یقین ہو؛ لیکن اجزائے جملہ مثلاً یہ=حکم کس کے لیے ثابت ہے؟ اُس کو دریافت کرنا مقصود ہو تو اُسے ''طلبِ تصور'' کہا جاتا ہے۔

طلبِ تصور کی صورت میں ہمزہ سے جو چیز متصل ہوگی اُس کو ''مسئول عنہ'' کہیں گے، اور اِس کا ایک مقابل ذکر کیا جائے گا جو اَم متصلہ کے بعد آئے گا، اُس کو ''معادِل'' کہتے ہیں، جیسے: أَ عَلِي مُسافر أم سعيدٌ؟ اِس مثال میں عَلِیٌّ مسئول عنہ ہے، اور سَعِیْد مسئول عنہ کا معادل ہے۔

طلبِ تصدیق: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت کے بارے میں دریافت کرنا؛ اور یہ طلب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ سائل کو اَجزائے جملہ کے بابت تو علم ہوتا ہے؛ لیکن وہ حکم (جملے کی ثبوتی یا سلبی نسبت) سے ناواقف ہوتا ہے؛ لہٰذا اُس حکم پر واقفیت حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے؛ اِس کو ''طلبِ تصدیق'' کہا جاتا ہے۔

**فائدہ:** تصدیق کی صورت میں نسبت ہی ''مسئول عنہ'' ہوگی اور اُس کے ساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر ذکر کردہ مثال ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ سے ظاہر ہے۔

ادواتِ استفہام کی تین قسمیں ہیں: ① ہمزۂ استفہام ② ھل ③ دیگر ادوات۔

① ہمزہ استفہام، طلبِ تصور اور طلبِ تصدیق دونوں میں مستعمل ہوتا ہے، جیسے: برائے طلبِ تصوّر: ﴿ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلْخَـٰلِقُونَ﴾ [الواقعة]

اور برائے طلبِ تصدیق: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾[1][ألم نشرح]

ہمزۂ تصور کے بعد آنے والے اُم کو ''امِ متصلہ''؛ اور ہمزۂ تصدیق اور ھَلْ کے بعد آنے والے اُم کو ''امِ منقطعہ'' کہا جاتا ہے۔

اُمِ متصلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: اِس میں مابعدِ ام، مابعد ہمزہ سے موافق ہوتا ہے، نیز دونوں مفردات معنوی طور پر باہم مربوط ہوتے ہیں؛ جب کہ امِ منقطعہ دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے؛ اور اُس وقت وہ «أمْ» بہ معنیٰ «بَلْ» ہوگا۔

② **هَلْ** صرف طلبِ تصدیق (وقوعِ نسبت اور لاوُقوعِ نسبت کو جاننے) کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے: ﴿هَلْ مِنْ خَـٰلِقٍ غَيْرُ ٱللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ﴾[2] [فاطر:۳]؛ اِس کے ساتھ کوئی مُعادِل ذکر نہیں کیا جاتا۔

---

① آیتِ اولیٰ: یعنی رحمِ مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ (مَیں حقیقی خالق یا تم مخلوق؟) طلبِ تصور میں جواب تعیین کے ذریعے ہوگا، کہ تُو ہی پیدا کرنے والا ہے۔

آیتِ ثانیہ: کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا! طلبِ تصدیق میں جواب: ''نعم، لا'' کے ذریعے دیا جائے گا، کہ ہاں! تُونے سینہ کھول دیا ہے۔

② کیا اللہ کے سوا کوئی بنانے والا ہے؟ وہ اللہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔

هَلْ کی دو قسمیں ہیں: هَلْ بَسِيطَه، هَلْ مُرَكَّبَه.

هَل بَسِيطَه: وہ حرفِ استفہام ہے جس کے ذریعے وجودِ شیٔ کا سوال کیا جائے، جیسے: هلِ الْعَنْقَآءُ =

③ بقیہ ادواتِ استفہام صرف طلبِ تصور کے لیے آتے ہیں؛ مگر وہ تصور اُن کے معانی کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

**ملاحظہ:** بقیہ ادواتِ استفہام اور اُن کے معانی کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمالیں۔

## استفہام کے معانیٔ مجازیہ

جب قرائن پائے جائیں تب ادواتِ استفہام اپنے حقیقی معنیٰ کے علاوہ دیگر حاصل ہونے والے مجازی معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں، مثلاً:

①التَّسْوِيَة ②النَّفْي ③الإنْكَار ④الأَمْرُ ⑤النَّهْي ⑥التَّشْوِيْق ⑦التَّعْظِيْم ⑧التَّحْقِيْر والاسْتِخْفَاف ⑨التَّقْرِيْر ⑩التَّهَكُّم ⑪التَّعَجُّب ⑫التَّنْبِيْه عَلَى الضَّلال ⑬التَّهْوِيْل ⑭الوَعْيْد والتَّهْدِيْد.

① **تسویہ:** یعنی اداتِ استفہام کے ذریعے دو چیزوں میں برابری ثابت کرنا، جیسے: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[1] [یٰسٓ]

② **نفی:** کسی چیز کے نہ ہونے کو بتلانا، جیسے: ﴿هَلْ جَزَآءُ ٱلْإِحْسَٰنِ

= مَوْجُوْدَةٌ؟ کیا عنقا پرندے کا وجود ہے؟۔

ھَل مُرَکَّبہ: وہ حرفِ استفہام ہے جس کے ذریعے ایک موجود چیز (چاہے وہ بالفرض ہی کیوں نہ ہو) کی صفت کا سوال کیا جائے، جیسے: هَلْ تَبِيْضُ الْعَنْقَآءُ؟ کیا عنقا پرندہ انڈے دیتا ہے؟۔

① ترجمہ: وہ لوگ جو کافر ہو چکے برابر ہے کہ تم اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں ﴿لا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ استفہام تسویہ کے لیے ہے۔

إِلَّا ٱلْإِحْسَٰنُ ﴿٦٠﴾ ﴾(١) [الرحمٰن]

③ **اِنکار:** کسی چیز کی برائی بتا کر اُس سے روکنا، جیسے: ﴿أَغَيْرَ ٱللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٤٠﴾ ﴾(٢) [الأنعام].

④ **امر:** کسی کام کے کرنے پر بلیغ انداز میں اُبھارنا اور اُس کا حکم دینا، جیسے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ ﴾(٣) [القمر]

---

① ترجمہ: نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ یہاں "هل"، "ما" نافیہ کے معنیٰ میں ہے۔

ملحوظہ: نفیِ صریحی اور نفی بہ طریقِ استفہام میں فرق یہ ہے کہ: استفہام کی صورت میں مخاطب کو نفی کے ساتھ منفی عنہ سے رُکنے پر اُبھارنا، نیز منفی عنہ کے بابت بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے پر آمادہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے؛ تاکہ بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے کے نتیجے میں مخاطب کے سامنے غلطی واضح ہوجائے اور اِس کام سے ہمیشہ دور رہے؛ دیکھیے! باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَآ﴾[البقرة:١١٤] اور ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا﴾[العنكبوت:٦٨] میں کس بلیغ اسلوب سے مخاطب کو سوچنے پر آمادہ کیا جارہا ہے؛ یہ فائدہ معروف نفی میں ندارد۔(علم المعانی)

② مشرکین سے آپ کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب آجاوے یا قیامت آجائے تب بھی تم اللہ کے علاوہ کو پکاروگے؟ اگر تم سچے ہوں!

ملاحظہ: استفہامِ انکاری کی دو قسمیں ہیں: انکاری توبیخی اور انکاری تکذیبی؛ تفصیل "اجرائے بلاغت" میں ملاحظہ فرمائیں۔

③ حقیقت یہ ہے کہ: ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان بنادیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے! یہاں استفہام کے اسلوب کو اختیار کر کے مخاطب کو قبولِ امر پر رغبت دلانا اور اُبھارنا مقصود ہے۔(علم المعانی)

⑤ **نهی:** کسی کام کے ترک کرنے کا حکم دینا، جیسے: ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ﴾(۱) [التوبة: ۱۳]

⑥ **تشویق:** جب متکلم اپنے مخاطب کو کسی بات کی ترغیب دینا چاہتا ہے اور اپنی بات کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے، تو کبھی رغبت اور شوق دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کرتا ہے، جیسے: ﴿«هَلْ أَتَىٰكَ» حَدِيثُ مُوسَىٰٓ ۝١٥ إِذْ نَادَىٰهُ رَبُّهُۥ بِٱلْوَادِ ٱلْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦﴾(۲) [النازعات].

⑦ **تعظیم:** کسی کی شان وشوکت یا احترام کو بتلانے کے لیے، جیسے: ﴿مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ﴾(۳) [البقرة: ۲۵۵].

⑧ **تحقیر واستخفاف:** کسی کی توہین وتذلیل کرنے کے لیے اداتِ استفہام کو لانا، جیسے: ﴿أَهَٰذَا ٱلَّذِى بَعَثَ ٱللَّهُ رَسُولًا ۝٤١﴾(۴) [الفرقان]

⑨ **تقریر:** اِس کے دو مطلب ہیں: طلبِ اقرار، تحقیق واِثبات۔

---

(۱) ترجمہ: اے مومنو! کیا تم اِن (مشرکین) سے ڈرتے ہو! حالاں کہ تم کو زیادہ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ یہاں ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ﴾ «لا تَخْشَوْهُمْ» کے معنیٰ میں ہے۔

(۲) اِن جیسی آیات میں مخاطب کو شوق ورغبت دِلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے؛ تاکہ اوّلاً مخاطب خود اِس کا جواب سوچے، پھر جب طلب کے بعد جواب دیا جائے گا تو اچھی طرح دل میں راسخ ہوجائے گا۔ (علم المعانی)

(۳) کیا کسی کو اِتنا استحقاق یا مجال ہے کہ بغیر اُس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اُس سے کرسکے؟۔ اِس سے الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ بِإِذْنِهِ کا احترام بھی مقصود ہے۔

(۴) مشرکینِ مکہ آپ کو دیکھ کر استہزاءً کہتے ہیں: کیا یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصبِ رسالت؟۔

⑨ **طلبِ اِقرار:** یعنی گناہ وجرم کا اعتراف کرانا، جیسے: ﴿قَالُوٓاْ ءَأَنتَ فَعَلۡتَ هَٰذَا بِـَٔالِهَتِنَا يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ ﴿٦٢﴾﴾[1] [الأنبياء].

⑨ **تحقیق واِثبات:** یعنی ثابت کرنا اور منوانا، جیسے: ﴿أَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعۡنَا عَنكَ وِزۡرَكَ ﴿٢﴾﴾[2] [ألم نشرح]

⑩ **تہکُّم:** مخاطب کی تحقیر کرنا اور مذاق اڑانا، جیسے: ﴿قَالُواْ يَٰشُعَيۡبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأۡمُرُكَ أَن نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوۡ أَن نَّفۡعَلَ فِيٓ أَمۡوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُاْۖ﴾[3] [هود: ٨٧].

⑪ **تعجب:** استفہام سے کبھی استبعاد مراد ہوتا ہے، یعنی مستفہم عنہ کو ناممکن اور خارج از اِمکان بتلانا، جیسے: ﴿فَقَالَ ٱلۡكَٰفِرُونَ هَٰذَا شَيۡءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾ أَءِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابٗاۖ ذَٰلِكَ رَجۡعُۢ بَعِيدٞ ﴿٣﴾﴾[4] [قٓ].

⑫ **تنبیہ علی الضّلال:** مخاطب کو گمراہی پر متنبہ کرنا، جیسے: ﴿فَأَيۡنَ

---

① یعنی: ''ابراہیم علیہ السلام کو بُلا کر بَرملا مجمعِ عام میں بیان (اقرار) لیا جائے'' کہ: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ تم نے کیا ہے؟۔

② تحقیقی بات کو استفہامی انداز میں پیش کرنے کا مقصد مخاطب کو تدبُّر پر اُبھارنا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

③ یعنی: حضرت شعیب علیہ السلام کو لوگ بہ طورِ استہزا و تمسخر یہ کہتے تھے: بس زیادہ بزرگ نہ بنیے! کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقل مند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے!۔ (علم المعانی)

④ کفار ومشرکین بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھتے تھے اور اُس کے وقوع کے سخت منکر تھے، چناں چہ اُنھوں نے اُس کو بہ صیغۂ استفہام تعبیر کرکے اُس کا استبعاد ظاہر کیا۔ (علم المعانی)

تَذۡهَبُونَ ۝٢٦ إِنۡ هُوَ إِلَّا ذِكۡرٞ لِّلۡعَٰلَمِينَ ۝٢٧﴾[1] [التکویر]

⑬ **تھویل:** کسی چیز کو سنگین اور ہولناک بتانے اور مخاطب کو انتہائی خوفزدہ کرنے کے لیے استفہامی اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿ٱلۡحَآقَّةُ ۝١ مَا ٱلۡحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡحَآقَّةُ ۝٣﴾[2] [الحاقة].

⑭ **وعید وتھدید:** ڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی (انشائی) اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿أَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصۡحَٰبِ ٱلۡفِيلِ ۝١﴾[3] [الفیل].

## فصلِ رابع: تمنی

**تمنّی:** کسی امرِ محبوب ومرغوب محال یا شبیہ بالمحال کو ایسے طلب کرنا جس کے حصول کی امید نہ کی جاسکے[4]۔

---

① باری تعالیٰ نے مشرکین کو اُن کی غلط بیانی اور ضلالت وگمراہی پر متنبہ کیا؛ چناں چہ غافل کو متنبہ، سرکش کو ڈرانے اور حق کے سلسلے میں بغض وعناد رکھنے والے کو غور وفکر پر اُبھارنے کی غرض سے استفہامی اسلوب اختیار فرمایا۔

② یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی چاہے کتنا ہی سوچے اُس کے ہولناک مناظر کا پوری طرح اِدراک نہیں کرسکتا؛ وہ گھڑی جو تمام زمین، آسمان، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی، اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کرڈالے گی۔(فوائد علم المعانی)

③ یعنی: اگر تم بھی نافرمانی کروگے تو تم پر بھی ایسا ہی عذاب آوے گا جیسا اُن پر آیا تھا۔(علم المعانی)

④ محال کی مثال: ﴿وَيَقُولُ ٱلۡكَافِرُ يَٰلَيۡتَنِي كُنتُ تُرَٰبَۢا ۝٤٠﴾ [النبأ]؛ شبیہ بالمحال (بعید الوُقوع) کی مثال: ﴿يَٰلَيۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَآ أُوتِيَ قَٰرُونُ إِنَّهُۥ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٖ ۝٧٩﴾[1] [القصص] =

## ادواتِ تمنی چار ہیں: اُن میں سے ایک اصلی ہے اور وہ لَيْتَ ہے، اور باقی تین غیر اصلی ہیں (١)۔

---

= بنی اسرائیل قارون کے متعلق کہنے لگے: کاش! ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے! بے شک یہ بڑا صاحبِ اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ دیکھیے! قارون کا سا خزانہ حاصل کرنا محال نہیں تھا؛ لیکن قوم کے دیگر افراد کے لیے بعید الوقوع ضرور تھا۔

(١) اداتِ تمنی چار ہیں: ١- لیت: کے ذریعے تمنا کرنا، جیسے: ﴿قَالَتْ يَٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا﴿٢٣﴾﴾ [مریم]، یعنی اے کاش! مَیں اِس وقت کے آنے سے پہلے ہی مر چکی ہوتی، کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا۔

٢- هَلْ: سے تمنی بیان کرتے ہوئے مستحیل الوقوع کی طرف اپنی شدتِ رغبت اور کمالِ توجہ ظاہر کرنا، جیسے: ﴿قَالُواْ رَبَّنَآ أَمَتَّنَا ٱثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا ٱثْنَتَيْنِ فَٱعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴿١١﴾﴾ [غافر].

دیکھیے! حشر ونشر کے بعد دوبارہ دنیا میں آنا محال ہے؛ یہاں استفہامی انداز میں تمنا کا اظہار کرکے مستحیل الوقوع کو ممکن الوقوع کی شکل میں ظاہر کرکے شدتِ رغبت اور کمالِ توجہ کی طرف اشارہ ہے۔

٣- لَوْ کے ذریعے: جیسے: ﴿أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى ٱلْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ ٱلْمُحْسِنِينَ﴿٥٨﴾﴾ [الزمر]، روزِ محشر مشرکین کے لیے جب حسرت واعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اُس وقت شدتِ اضطراب سے کہیں گے: کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے، دیکھو! میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

٤- لعَلَّ کے ذریعے: جیسے: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَٰهَٰمَٰنُ ٱبْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيٓ أَبْلُغُ ٱلْأَسْبَٰبَ﴿٣٦﴾ أَسْبَٰبَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰٓ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُۥ كَٰذِبًا﴾ [المؤمن] فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ: اچھا! اینٹوں کا ایک پزادہ (بھٹا) لگاؤ؛ تاکہ آسمان کے قریب ہوکر مَیں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں؛ کیوں کہ زمین میں تو کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں آتا۔

ملاحظہ: اداتِ تمنی: ''لیت'' سے عدول کی حکمت کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔

# فصلِ خامس: ترجّی

**تَرَجِّي:** کسی متوقّع الحصول (ہوسکنے والے) امرِ مرغوب کا منتظر رہنا، جیسے:

﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُۥ يَزَّكَّىٰٓ ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ ٱلذِّكْرَىٰٓ ۝﴾ [عبس]؛

﴿عَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِٱلْفَتْحِ﴾[1] [المائدة:۵۲]

ادواتِ ترجّی دو ہیں: لَعَلَّ اور عَسٰی.

# فصلِ سادس: ندا

**ندا:** متکلم کا مخاطب کی توجہ طلب کرنا ہے ایسے حرف کے ذریعے جو أَدْعُوْا فعلِ محذوف کے قائم مقام ہو[2]، جیسے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝﴾

---

① آیتِ اولیٰ: پیغمبر نے ایک نابینا کے آنے پر چیں بہ جبیں ہوکر منہ پھیر لیا تب اللہ پاک نے فرمایا: تمھیں کیا معلوم کہ اُس کا حال سنور جاتا اور اُس کا نفس مُزکّٰی ہوجاتا! یا تمھاری کوئی بات کان میں پڑتی اور وہ اُس کو اخلاص سے سوچتا، سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اُس کے کام آجاتی۔

آیتِ ثانیہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے، اور مکۂ معظّمہ میں بھی حضور کو فاتحانہ داخل کرے۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ باری تعالیٰ نے جہاں افعالِ رَجا کو ذکر فرمایا ہے اُس سے مراد-العیاذ باللہ- یہ نہیں ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اِس امر کی توقُّع کررہے ہیں؛ بلکہ اِس لیے افعالِ رجا کو ذکر فرمایا ہے تاکہ بندے اُس امر کے امیدوار رہیں، جیسے: ﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ [الأعراف:۱۲۹]، أَيْ: كُوْنُوا رَاجِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ. (مفردات القرآن)

② فائدہ: قرآنِ مجید کے طرزِ بیان میں لفظِ ''رب'' سے پہلے حرفِ ندا کو حذف کردیا گیا ہے، جو داعی کے حق جل مجدہٗ سے غایتِ قرب کی طرف مشیر ہے۔ =

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤﴾ (١) [المدثر].

ندا کے ادوات پانچ ہیں: «أَ، أيْ، يَا، أَيَا، هَيَا»؛ قرآنِ مجید میں عموماً ندا کے لیے «يَا» کو استعمال کیا گیا ہے۔ ادواتِ ندا کی دو قسمیں ہیں: «هَمْزَہ، أيْ» منادیٰ قریب کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، اور بقیہ ادوات منادیٰ بعید کے لیے (٢)۔

## ندا کی اغراضِ مجازیہ

کبھی حرفِ ندا کو اپنے اصلی معنیٰ (مخاطب کی توجہ طلب کرنا) کے علاوہ دوسرے مجازی معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ معنیٔ مجازی مراد لینے پر قرینہ پایا جائے؛ اُن معانیٔ مجازیہ میں سے بعض یہ ہیں:

= لفظِ اللہ کے منادیٰ ہونے کی حالت میں بہ جائے حرفِ ندا کے اخیر میں میم مشدّد لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلِ ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلْمُلْكِ تُؤْتِى ٱلْمُلْكَ مَن تَشَآءُ﴾ [آل عمران: ٢٦] (علم المعانی)

(١) اے لحاف میں لپٹنے والے! آپ کا کام تو یہ ہے کہ: سب آرام وچین چھوڑ کر دوسروں کو خوفِ خدا سناؤ، اور اپنے پروردگار کی تکبیر بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو!

ندا کا مقصد یہ ہے کہ: منادیٰ کو کسی مہتم بالشان امر کی طرف متوجہ کرے؛ لہٰذا عموماً ندا کے بعد امر، نہی، استفہام یا کسی حکمِ شرعی کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤﴾ [المدثر]؛ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝٨٧﴾ [المائدة]؛ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ﴾ [التحريم:١]؛ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ [الطلاق:١].

(٢) ملاحظہ: ''یا'' کے استعمال کو دیکھتے ہوئے اُسے مشترک اداتِ ندا (قریب وبعید) میں شمار کرایا ہے؛ ورنہ وضع تو منادیٰ بعید کے لیے ہے۔ (علم المعانی) =

الإغْرَاء، التَّأْنِيْس والملاطَفَة، التَّحسُّر والتَّحزُّن، التَّحيُّر والتَّضجُّر، التَّذَكُّر.

① **اِغراء:** ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ﴾[1] [الزمر: ٥٣].

② **تانیس وملاطفت:** ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤﴾[2] [المدثر]

③ **تحسُّر وتحزُّن:** افسوس ظاہر کرنا، دردمند ہونا، جیسے: ﴿يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝٢٨﴾[3] [الفرقان] وفاتِ نبوی ﷺ پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

---

= فائدہ: ① منادیٰ قریب کو کبھی حرفِ ندا بعید کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ تین مواقع میں کیا جاتا ہے: ① مخاطب کے عالی مرتبت ② مخاطب کی غفلت ③ مخاطب کے گھٹیا ہونے کی طرف اِشارہ کرنے لیے، جیسے: ﴿يَٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ ٱلشَّيْطَٰنَ﴾ [مريم: ٤٤].

فائدہ: ② منادیٰ بعید کو کبھی حرفِ ندا قریب کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ دو مواقع میں کیا جاتا ہے: منادیٰ بعید ذہن میں مستحضر ہو، یا منادِی کی طرف کان لگائے ہوئے ہو؛ اول کی مثال شعر: أَسُكَّانَ نَعْمَانِ الأَرَاكِ تَيَقَّنُوْا ۞ بِأَنَّكُمْ فِيْ رَبْعِ قَلْبِي سُكَّانُ[4]؛ ثانی کی مثال دور کھڑے زہیر کو: أي زُهيرُ! کہہ کر پکارنا۔

① مخاطب کو کسی اچھے کام کرنے پر اُبھارنا ہو۔

وسیع مغفرت والی ذات نے اپنے گنہ گار بندوں کو استغفار پر اُبھارنے کے لیے مذکورہ اسلوبِ خطابی استعمال فرمایا ہے۔

② مانوس کرنے اور لاڈ پیار کے اِظہار کے لیے۔

③ یعنی جن کی دوستی اور اغوا سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اُس وقت پچھتائے گا کہ افسوس! ایسوں کو مَیں نے اپنا دوست کیوں سمجھا!۔ =

کا فرمان: «وَانَبِيَّاه! وَاصَفِيَّاه! وَاخَلِيْلاه!». [شمائل الترمذي]

④ **تحیُّر وتضجُّر:** سخت گھٹن اور حیرانی و پریشانی بتلانے کے لیے اداتِ ندا کو استعمال کرنا، جیسے: ﴿يَـٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾[1] [يوسف:٨٤]

⑤ **تذکُّر:** یعنی پرانی یادوں کو تازہ کرنا، جیسے: ﴿يَـٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾[2] [يوسف:٨٤]

## خبر وانشا کو ایک دوسرے کی جگہ لانا

**وضع الخبر موضع الإنشاء:** جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی غرض وفائدے کے لیے استعمال کرنا؛ اِس کی بنیادی تین غرضیں ہیں: ① تفاؤل (نیک فالی) ② ادب (صیغۂ امر و نہی سے احتراز کرنا) ③ حَث علی الامتثال (اظہارِ حرص ورغبت میں مخاطب کو اُبھارنا)[3]۔

---

= ملحوظہ: حروفِ ندا جب قِیام گاہوں، سواریوں، قبروں، مُردوں اور وَیل وحسرت کے مقامات پر استعمال کیے جائیں تو وہ تحسُّر وتحزُّن کے لیے ہوتے ہیں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَـٰلَيْتَنِى ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ۝٢٧ يَـٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِى لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝٢٨﴾ [الفرقان]

① یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام کو جدا کیا گیا، جس سے یعقوب علیہ السلام غم زدہ اور زخم خوردہ ہو گئے، پھر بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا، تو اُس وقت بے اختیار ﴿يَـٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! صرف اِتنا لفظ زبان سے نکلا۔

② حضرت یعقوب علیہ السلام پر فراقِ یوسف علیہ السلام کی بے تابی اور اضطراب کا کیسا ہی طوفان اُٹھتا دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے، زبان سے اُف تک نہ نکالتے! بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا تو اُس وقت بے اختیار ﴿يَـٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! بول اُٹھے۔

③ ا- **تفاول:** مخاطب کو خوش کرنے اور معنیٔ انشائی کے وقوع میں حرص ورغبت کا اظہار کرنے کے=

**وضع الانشاء موضع الخبر:** اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشا کو استعمال کرنا، مثلاً: الاهْتِمَام بِالشَّيْء، الاِمْتِنَان[1].

---

= لیے انشا کی جگہ خبر کو استعمال کرنا، جیسے: دعا کے موقع پر متکلم صیغۂ طلب (امر ونہی) سے اعراض کرے، اور وقوعِ فعل کے یقینی ہونے کو بتلانے کے لیے صیغۂ ماضی (اِخبار) کو لاکر یہ بتلائے کہ مخاطب کے لیے یہ دعا حاصل ہوچکی ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا: نَضَّرَ اللهُ إمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ وَحَفِظَهَا فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا؛ أي: اللّٰهُمَّ! نَضِّرْ إمْرَأً، إلخ.

٢- **ادباً:** امر کی صورت سے احتراز کرنے کے لیے خبر کو انشا کی جگہ استعمال کرنا، جیسے: غلام اپنے آقا سے یوں کہے: يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِيْ أَمْرِيْ، میرے آقا میرے معاملے میں غور فرمائیں گے!

٣- **حثّ على الامتثال:** حکم کی بجا آوری پر مخاطب کو اُبھارنے کے لیے خبر کو انشا کی جگہ استعمال کرنا، جیسے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ «لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ...»، وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ «لَا تَسْفِكُونَ» دِمَآءَكُمْ «وَلَا تُخْرِجُونَ» أَنفُسَكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ﴾ [البقرة:٨٤]

یہاں حالت کا تقاضہ کلام کو انشائی صورت میں بہ صیغۂ نہی لانے کا تھا، یعنی: «لاتعبدوا إلا الله ولاتسْفِكوا دِماءَكُم، ولاتخْرِجُوا أنفُسَكم»؛ لیکن مخاطبین کو جلدی سے حکم کی بجاآوری پر اُبھارنے کے لیے اس مضمون کو کلامِ خبری سے تعبیر فرمایا۔ (علم المعانی، وجواہر)

[1] ١- **الاهتمام بالشيء:** کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنا، جیسے: ﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِٱلْقِسْطِ «وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ» عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف:٢٩].

آپ کہہ دیجیے کہ: میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا، اور یہ کہ ہر نماز کے وقت اپنے رُخ کو سیدھا کروں۔ یہاں مامور بہ (نماز) کے حکم کی اہمیت جتانے کے لیے «وَإِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ» نہیں فرمایا؛ بلکہ صِیغۂ امر کو استعمال فرمایا۔ (علم المعانی)

٢- **اِمتنان:** احسان جتانے کے لیے بہ جائے خبر کے انشا لانا، جیسے: ﴿هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ ذَلُولًا فَٱمْشُواْ فِى مَنَاكِبِهَا﴾ [الملك:١٥]

ترجمہ: وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو مسخر کرلیا؛ سو تم اُس کے راستوں میں چلو!

یہاں بہ جائے لِتَمْشُوْا خبر کے ﴿فَامْشُوْا﴾ انشا کو استعمال کرنا برائے امتنان ہے۔

# بابِ ثانی: در تعریف وتنکیر

**تعریف:** کلام کے رُکنین کو یا کسی ایک رکن کو بہ صورتِ معرفہ پیش کرنا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: مسند الیہ میں ''تعریف'' اصل ہے؛ تا کہ اُس پر حکم لگانا آسان ہو، اور مسند میں ''تنکیر'' اصل ہے؛ لیکن چند اغراض کی وجہ سے مسند الیہ میں ''تنکیر'' اختیار کی جاتی ہے جس کے دواعی آگے مذکور ہے، اور مسند میں افادۂ حصر وغیرہ فوائد کے لیے تعریف کا اُسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۝١ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢﴾(١) [الإخلاص].

معرفہ کی سات قسمیں ہیں: ① ضمیر ② علَم ③ اسمِ اشارہ ④ اسمِ موصول ⑤ معرَّف باللام ⑥ مضاف اِلی المعرفہ ⑦ منادیٰ۔

## فصلِ اوّل: ضمیر(٢)

مسند الیہ کو ضمیر کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

① كَوْن المقَام للتَّكلُّم ② كَوْنُ المقَام للخِطَاب ③ كَوْنُ المقَام

---

① یہاں پر ﴿أَحَدٌ﴾ کی ''تنکیر'' اور ﴿ٱلصَّمَدُ﴾ کی ''تعریف'' میں مختلف حکمتیں بیان کی جاتی ہیں، اُن میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ: ﴿هُوَ ٱللَّهُ﴾ -ایک قول کے مطابق- اور ﴿ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ﴾ دونوں ترکیبیں مبتدا خبر ہیں اور خبر کی تعریف سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا ہے، اور ﴿أَحَدٌ﴾ کے بغیر ہی ﴿هُوَ ٱللَّهُ﴾ میں حصر ہوگیا ہے؛ لٰہذا ﴿أَحَدٌ﴾ مسند اپنی اصل کے مطابق نکرہ مستعمل ہوا ہے۔ (الاتقان)

② ضمیر: وہ اسم غیر متمکن ہے جو متکلم، مخاطب یا ایسے غائب پر اختصاراً دلالت کرے جس کا ذکر لفظاً یا معنیً یا حکماً آچکا ہو۔

للغَيْبُوْبَة مَعَ الاخْتِصَار لتَقْدِيْم ذِكْرِه.

① **كون المقام للتكلم:** تکلّم کا موقع ہونا، جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٩﴾[1] [الحجر]

② **كون المقام للخطاب:** خطاب کا مَوقع ہونا، جیسے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ فَزِعُوا۟ فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا۟ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝٥١﴾[2] [سبا]

---

① اے مشرکو! یاد رکھو! اِس قرآن کو اتارنے والے ہم ہیں، اِس کی (تحریفِ لفظی و معنوی ہر طرح سے) حفاظت کرنے والے ہم ہی ہیں؛ لہٰذا مؤمنوں کو مطمئن رہنا چاہیے۔

ملحوظہ: جب متکلّم اپنے ہی بارے میں کوئی بات بیان کرے تو یہ ''مقامِ تکلُّم'' کہلاتا ہے، اور جب اپنے سامنے موجود کسی شخص سے بات کرے تو یہ ''مقامِ خطاب'' کہلاتا ہے، اور اگر کسی غائب کے بارے میں گفتگو کرے تو یہ ''مقامِ غیبوبت'' کہلاتا ہے، جس میں اُس غائب کا تذکرہ لفظاً یا حکماً پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے، یا پھر کسی قرینے (سیاق وسباق یا احوال) سے اُس غائب کا علم ہو جائے۔ (علم المعانی)

② (اے پیغمبر! تمھیں اُن کی حالت عجیب وغریب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے! اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور اُنھیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: عموماً متکلّم معین مخاطب سے بات کرتا ہے؛ لیکن کبھی مستقبل میں آنے والے ہر مخاطب بننے کی صلاحیت رکھنے والے کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام خطاب کرتا ہے، جیسے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝٢٠﴾ [الدهر]؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «يَخْرُجُ (أيْ:الدَّجَّالُ) مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا؛ يَا عِبَادَ اللهِ! اِلْبَثُوْا». [الجامع الترمذي]

مثالِ اول: (جنت کا حال کیا کہا جائے!) جب تم وہ (ایک ادنیٰ درجے کے جنتی کو نصیب ہونے والی) جگہ دیکھو گے تو تمھیں نعمتوں کا ایک جہاں اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی! یہ بات اِس قدر واضح ہوگی جو کسی سے مخفی نہ ہوگی کہ کسی مخصوص کو نظر آئے اور دوسرے کو نہیں! دیکھیے! خطاب میں عمومیت ہے۔ مثالِ ثانی: قربِ قیامت میں دجال سے مقابلہ کرنے والے (مستقبل میں آنے والے) مسلمانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطاب فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''اے اللہ کے بندو! جم جاؤ! ڈٹ کر اِس کا مقابلہ کرو!''۔

③ **كون المقام للغيبة مع الاختصار لتقديم ذكره:** مقامِ غیبوبت میں (مرجع کے مذکور ہونے کی حالت میں) اختصار ملحوظ ہو، جیسے: ﴿فَٱصْبِرُواْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ ٱللَّهُ بَيْنَنَاۚ «وَهُوَ» خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ﴾⁽¹⁾ [الأعراف:٨٧].

## فصلِ ثانی: علَم ⁽²⁾

### مسندالیہ کوعلَم کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

إِحْضَار المعْنىٰ فِي ذِهْن السَّامِع بِاسْمِه الخَاصِّ، التَّعْظِيْم، الإهَانَة، بَيَان الاخْتِصَاص.

① **إحضار المعنى في ذهن السامع باسمه الخاص:** مسندالیہ کو اس

---

(1) اگر تم نے میرے لائے ہوئے دین کے بارے میں اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین ہمارے درمیان فیصلہ کرے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہاں پہلے لفظ اللہ کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے: «اسْمَاء الظَّوَاهِرِ كُلُّها غُيَّبٌ»، اِس کے پیشِ نظر ضمیر غائب راجع فرمائی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: یہاں ایک قاعدہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ: «أَسْمَاءُ الظَّوَاهِرِ كُلُّهَا غُيَّبٌ»، اسمِ ظاہر کو غائب کے درجے میں رکھا جاتا ہے اگر چہ وہ خود موجود ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿ٱللَّهُ ٱلَّذِى «رَفَعَ» ٱلسَّمَٰوَٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَاۖ﴾ [الرعد:٢].

(2) علَم: وہ اسم ہے جو کسی معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اِس وضع میں وہ کسی دوسرے کو شامل نہ ہو، جیسے: ﴿«مُّحَمَّدٌ» رَّسُولُ ٱللَّهِۚ﴾ [الفتح:٢٩].

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؛ دیکھیے! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وصفِ رسالت کے اِثبات کا موقع آیا تو باری تعالیٰ نے آپ کے مخصوص نام ''محمد'' کو ہی ذکر فرمایا، نہ کہ کسی اَور صفت کو؛ تاکہ آپ کی رسالت پر شہادت پختہ ہو جائے۔

کے خاص نام کے ساتھ مخاطب کے ذہن میں مستحضر کرنا مقصود ہو، تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے، جیسے: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ «إِبْرَاهِيمُ» ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ «وَإِسْمَاعِيلُ»﴾ (۱) [البقرة:۱۲۷].

② **التعظيم:** عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ وہ مدح، کنیت یا لقب پر مشتمل ہو اور اُس میں عظمت کا معنیٰ پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ﴾ (۲) [الفتح:۲۹].

③ **الإهانة:** حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ اُس میں حقارت کا معنیٰ پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝١﴾ (۳) [أبي لهب].

④ **بیانِ اختصاص:** معین ذات کے ساتھ مخصوص امر کو ذکر کرتے ہوئے اُس معین ذات کو بہ ذریعۂ علم تعبیر کرنا، جیسے: ﴿«ٱللَّهُ» ٱلَّذِى رَفَعَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ [الرعد:۲] ﴿ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ﴾ (۴) [الأنعام: ۱۲٤]

---

① یہاں ابراہیم واسماعیل مسندالیہ کو خاص نام سے ذکر کیا ہے، تاکہ یہ دونوں دیگر حضرات سے ممتاز ہو جائیں۔

② اِس میں باری تعالیٰ نے محمد ﷺ کی عظمتِ شان کو بیان کیا ہے، کہ محمد ﷺ (جن کی تعریف اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ملائکہ کرتے ہیں وہ) تو اللہ کے رسول ہیں؛ چاہے تم مانو، یا نہ مانو!۔

③ اِس آیت میں یہ کنایہ ہے کہ: ابولہب انگاروں والی جہنّم میں جائے گا۔

ملحوظہ: جب مسندالیہ کی تعظیم یا تحقیر واہانت مقصود ہو تو اُس وقت کنیتوں اور اچھے برے القاب کو ذکر کیا جاتا ہے، چوں کہ عربی النسل لوگ طبعی طور پر ''القابِ مذمومہ'' سے نفرت کرتے ہیں، اُن کی طرف نسبت کو ناپسند کرتے ہیں؛ اور اچھے القاب کو قبول کرتے ہیں، اُن کی طرف نسبت کو پسند کرتے ہیں؛ اِس لیے ''القابِ محمودہ'' میں ابوالخیر، ابوالمعالی وغیرہ کہتے ہیں، اور ''القابِ مذمومہ'' میں ابوالجہل، أنف الناقة وغیرہ لاتے ہیں۔ (علم المعانی)

=

# فصلِ ثالث: اسمِ اشارہ[1]

**مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:**

تَعَيَّن طَرِيْقا لإحْضَار مَعْنَاه، لمعْنىً تُسْتَفَاد بالقَرِيْنَة كَالقُرْب، لبُعْدِ المرْتَبَة، للتَّعْظِيْم، للتَّحْقِيْر، تَجْسِيْد المعْنَوِيَّات فِي صُوْرَة مَحْسُوْسَة، تَلْخِيْص الكَلام.

① **تعین طریق الإحضار معناہ:** سامع کے ذہن میں مشارالیہ کا معنیٰ حاضر کرنے اور اس کا تصوُّر جمانے کے لیے اِشارے کا طریقہ متعین ہو، مثلاً: جب مشار الیہ کے نام یا صفت سے ناواقفیت ہو، جیسے: ﴿يَٰبُشْرَىٰ «هَٰذَا» غُلَٰمٌ﴾[2] [يوسف:١٩].

---

=④ آیتِ اولیٰ: دیکھیے: آسمانوں کو بلند کرنا صرف اُسی کی طرف منسوب ہے؛ لہٰذا لفظ ''اللہ'' کو بہ صورتِ عَلَم ذکر کیا۔ (علم المعانی) آیتِ ثانیہ: دیکھیے! رسول کی تعیین کرنا صرف اُسی کی طرف منسوب ہے۔

① اسمِ اشارہ: وہ اسمِ غیر متمکن ہے جو کسی محسوس چیز کی طرف اِشارہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو؛ اِسی طرح جب کسی چیز کو مکمل ممتاز کرنا مقصود ہو تو اسمِ اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّ «هَٰذَا» ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ﴾ [بني إسرائيل:٩]. بے شک یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔ یعنی: یوں تو تورات بھی بنی اسرائیل کو راہ بتلانے والی تھی جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿هُدًى لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ﴾؛ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام قویم راہیں اِس «اَقْوَم» کے تحت مندرج ہوگئیں؛ دیکھیے! قرآنِ مجید کو مکمل ممتاز کرنے کے لیے اِشارہ قریب کا اُسلوب اختیار فرمایا۔

② دیکھیے! ڈول ڈالنے والا یوسف علیہ السلام کے نام سے ناواقف تھا؛ لہٰذا اُس نے اشارہ کا اسلوب اختیار فرمایا۔

**② لمعنیً تُستَفاد بالقرینۃ کالقرب:** مشارالیہ کے قُرب، بُعد اور توسط کے حال کو بیان کرنا، جیسے: ﴿قَالَ أَنَاْ يُوسُفُ وَ«هَٰذَآ» أَخِيۖ﴾ [يوسف:٩٠]؛ ﴿تِلۡكَ ٱلۡجَنَّةُ ٱلَّتِي نُورِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيّٗا۝٦٣﴾(۱) [مريم].

**③ بُعدِ مَرتبت:** اسمِ اشارہ بعید کو کبھی بُعدِ مرتبت اور عُلوِّ مکان کے لیے بھی استعمال فرماتے ہیں، جیسے: ﴿الٓمٓ۝١ ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِۛ﴾(۲)[البقرة]

**④ التعظیم:** مشارٌ الیہ کی عظمت وجلالتِ شان کو بیان کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ يَهۡدِي لِلَّتِي هِيَ أَقۡوَمُ﴾ [بني إسرائيل:٩]؛ ﴿تِلۡكَ ٱلۡجَنَّةُ ٱلَّتِي نُورِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيّٗا۝٦٣﴾(۳) [مريم].

**⑤ التحقیر:** مشارالیہ کی حقارت ودَناءت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَمَا «هَٰذِهِ» ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَآ إِلَّا لَهۡوٞ وَلَعِبٞۚ وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ لَهِيَ ٱلۡحَيَوَانُۚ لَوۡ كَانُواْ يَعۡلَمُونَ۝٦٤﴾ [العنكبوت]؛ ﴿أَرَءَيۡتَ ٱلَّذِي يُكَذِّبُ بِٱلدِّينِ۝١ فَـ«ذَٰلِكَ» ٱلَّذِي يَدُعُّ ٱلۡيَتِيمَ۝٢﴾(۴) [الماعون]

---

① آیتِ اولیٰ: یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں! مَیں یوسف ہوں، اور یہ (میرے قریب موجود) میرا بھائی ہے۔ آیتِ ثانیہ: دیکھیے! یہاں جنت کے بُعد کو ''تلک'' سے تعبیر فرما کر اس کی تعظیم کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

② ترجمہ: الٓمٓ، یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں!۔

③ آیتِ اولیٰ: یہاں ہادی (قرآن) کو اسمِ اشارہ کے ذریعے بالکل قریب ہی بتلایا ہے، اور ہادی جتنا قریب ہوتا ہے اُتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: یہاں اسمِ اشارہ بعید (تلک) برائے تعظیم ہے۔

④ آیتِ اولیٰ: یہاں دنیا کی دنائت اور اُس کے گھٹیا پن کو تعبیر کرنے کے لیے (ہٰذہ) اسمِ اشارہ برائے قریب کو استعمال فرمایا۔

آیتِ ثانیہ: یہاں مکذِّب اور یتیم کو دھکا دینے والے کی تحقیر ظاہر کرنے کے لیے اسے اسمِ اشارہ=

⑥ **تجسيد المعنويات في صورة محسوسة:** امورِ معنویہ کو امورِ محسوسہ کی صورت میں پیش کرنے کے لیے بھی اسم اِشارہ کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿يُقَلِّبُ ٱللَّهُ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبۡرَةٗ لِّأُوْلِي ٱلۡأَبۡصَٰرِ﴾(۱) [النور].

⑦ **تلخيص الكلام:** متکلم کئی جملوں کا اِعادہ کرنے؛ بلکہ بسا اوقات پورے صفحے کے مضمون کا اِعادہ کرنے کے بہ جائے اس مضمون کو اختصاراً اسمِ اشارہ کے ذریعے سمیٹ لے، جیسے: ﴿ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوۡحَىٰٓ إِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلۡحِكۡمَةِۗ﴾(۲)[بني اسرآءيل:۳۹].

---

= بعید سے تعبیر فرمایا۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: یاد رہے کہ اسمِ اشارہ قریب کے ذریعے دو متضاد امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے: کہیں پر مشارٌ الیہ کی تحقیر، ہلکا پن اور اُس کے گھٹیا پن کی طرف اِشارہ ہوتا ہے، تو کہیں مشارٌ الیہ کے غایتِ قرب کو بتلا کر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اُس سے فائدہ اٹھانا اور رہنمائی حاصل کرنا نہایت آسان ہے، جیسے: تعظیم وتحقیر، دونوں کی مثالوں سے واضح ہے۔ ایسا ہی حال اسمِ اشارہ بعید میں بھی ہے، جیسے: ﴿فَمَن ثَقُلَتۡ مَوَٰزِينُهُۥ «فَأُوْلَٰٓئِكَ» هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ۝١٠٢ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَٰزِينُهُۥ «فَأُوْلَٰٓئِكَ» ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ فِي جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ۝١٠٣﴾ [المؤمنون] اس جگہ اول اسمِ اشارہ برائے تعظیم ہے، اور ثانی برائے تحقیر ہے۔ (علم المعانی)

(۱) یہاں اسم اشارہ کے ذریعے معنوی چیز (رات ودن کا اُلٹ پھیر) کو محسوس صورت میں پیش کیا ہے۔

(۲) یعنی اوپر جو پُر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں یہ تمام علم وحکمت اور تہذیبِ اخلاق کی وہ باتیں ہیں جنھیں عقلِ سلیم قبول کرتی ہے۔ دیکھیے! ایک اسمِ اشارہ میں کس قدر نصائح کو سمیٹ لیا گیا ہے؛ یہ اسلوب بھی کلامِ الٰہی کے اسالیبِ عالیہ میں سے ایک اسلوب ہے۔

# فصلِ رابع: اسمِ موصول (۱)

**مسندالیہ کواسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:**

تَعَيُّنُ الطَرِيْقِ لإحْضَارِ مَعْنَاه، عَدَم العِلْمِ عَنْ أمْرِهِ سِوَى الصِّلَة، التَّفْخِيْم، التَّهْوِيْل، قَصْدُ الهدَايَة، التَّنْبِيْه عَلى الخَطَأ، زِيَادَة التَّقْرِيْر، التَّعْلِيْل، إرَادَة العُمُوْم.

① **تعيُّن طريق الإحضار معناه:** سامع کے ذہن میں اُس کا معنیٰ حاضر کرنے اور تصوّر جمانے کے لیے یہی ایک طریقہ متعین ہو، جیسے باری تعالیٰ اپنی ربوبیت کا تعارف فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ ... يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ﴾ [يونس: ۳]؛ نیز فرمایا: ﴿هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ...... لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾(۲) [الأعراف:۱۸۹].

---

① اسمِ موصول: وہ اسمِ غیر متمکن ہے جو بغیر صلے کے جملے کا جزو نہ بن سکے، جیسے: الذِيْ، التِي؛ اور مسند الیہ وغیرہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ اُس وقت لایا جائے گا جب کہ متکلم ومخاطب دونوں صلہ کے بابت جانکاری رکھتے ہوں۔

② دیکھیے! محدود سوچ رکھنے والے انسان کے دل ودماغ میں بن دیکھے رب کا تصور جمانے کے لیے قرآنِ مجید ایسے متعدد طریقے استعمال کرتا ہے۔

جنت کی نعمتوں کے بارے میں حدیث قُدسی ہے: «أعْدَتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالحِيْنَ «مَا» لا عَيْنٌ رَأتْ، وَلا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلا خَطَرَ عَلىٰ قَلْبِ بَشَرٍ». [مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها]؛ جنت کی لامحدود وغیر متصور نعمتوں کا کسی حد تک تصوُّر جمانے کے لیے «مَا لا عَيْنٌ رَأتْ...» کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے، اور واقعی اِس کے لیے یہی ایک طریقہ متعین معلوم ہوتا ہے۔

② **عدم العلم عن امره سوی الصلة :** مخاطب کو مسند الیہ کے صلہ کے علاوہ اُس کے خاص احوال کا علم نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ سَبَقَتۡ لَهُم مِّنَّا ٱلۡحُسۡنَىٰٓ أُوْلَٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُونَ ١٠١﴾ (1) [الأنبياء].

③ **تفخیم :** کسی چیز کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اسمِ موصول کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِذۡ يَغۡشَى ٱلسِّدۡرَةَ مَا يَغۡشَىٰ ١٦﴾ (2) [النجم].

④ **تہویل تعظیماً او تحقیراً:** کسی چیز کی عظمت یا حقارت کے اعتبار سے اُس کی سنگینی و ہولناکی کو بیان کرنے کے لیے اسمِ موصول کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَغَشِيَهُم مِّنَ ٱلۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ٧٨﴾ (3) [طٰهٰ].

⑤ **قصد الهدايت :** کبھی متحدث عنہ کو راہِ راست پر لانے اور حق و ہدایت

---

(1) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے وہ بے حساب لوگ جنھیں جہنّم سے دور رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا؛ اُن لوگوں کے خاص اَحوال (علاقے، زمانے اور شرائع) سے مخاطب ناواقف ہے؛ لہٰذا ﴿ٱلَّذِينَ سَبَقَتۡ لَهُم مِّنَّا ٱلۡحُسۡنَىٰٓ﴾ کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے۔

(2) ترجمہ: (معراج کے) وقت اُس بیری کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو کچھ اُس پر چھائی ہوئی تھیں۔ اُس وقت لاتعداد فرشتے سنہرے پروانوں کی شکل میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جمع ہوگئے تھے، اور اُس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے؛ دیکھیے! یہاں ﴿مَا يَغۡشَىٰ﴾ کے ابہام سے تفخیم پیدا ہوئی ہے۔

(3) عربی محاورے کے مطابق "وہ چیز" کہہ کر اُس کے ناقابلِ بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی: کل تک جو لوگ حکومت وسلطنت پر مغرور تھے، ظلم و جور اور جبر وتسلط کے خوگر تھے، کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے اُن سب کو کس طرح ہمیشہ کے لیے ڈھانپ دیا۔ دیکھیے! اِس آیت میں «ما» اسم موصول ہے جو بڑائی اور ہولناکی ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے، کہ وہ موجیں اِتنی بڑی تھیں کہ اُن کی ہولناکی وخوفناکی کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

کی طرف مائل کرنے میں رغبت کی وجہ سے اُس متحدث عنہ کو اسمِ موصول سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُجَـٰدِلُ فِي ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَـٰبٍ مُّنِيرٍ ۝٨﴾[1] [الحج].

⑥ **التنبیه على الخطا:** مخاطب کو غلطی پر متنبہ کرنا ہو، جیسے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ [الأعراف:۱۹٤]؛ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَن يَخْلُقُوا۟ ذُبَابًا﴾[2] [الحج:۷۳].

⑦ **زيادة التقرير:** مضمونِ کلام کو پختگی کے ساتھ ثابت کرنا، جیسے: ﴿وَرَٰوَدَتْهُ ٱلَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِۦ﴾[3] [يوسف: ۲۳]

⑧ **التعليل** (ایماء الٰی وجہ الخبر): موصول پر مبنی حکم کی علت کو بذریعہ صلہ بیان کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝٦٠﴾ [المؤمن]؛ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّـٰتُ ٱلْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝١٠٧﴾[4] [الكهف]

---

① دیکھیے! یہاں کج رَو اور ضدی لوگوں کو اُن کے نام بیان کیے بغیر راہِ حق کی طرف مائل کرنا مقصود ہے؛ اِسی لیے تعریضی اُسلوب اختیار فرما کر اُن کو اسمِ موصول سے ذکر فرمایا۔

② اِن آیات میں غیر اللہ کی پرستش کرنے کی غلطی پر مشرکین کو متنبہ کیا ہے۔

③ اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام (ہر وقت) رہتے تھے اُس نے اُن کو وَرغلانے اور پھسلانے کی کوشش کی؛ یہاں ﴿ٱلَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا﴾ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کو اچھی طرح ثابت کرتا ہے۔ (علم المعانی)

④ تکبر کی بنا پر اللہ کی عبادت سے منہ موڑنا دخولِ جہنم کا سبب ہے۔ یہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ پر جنت الفردوس کا وعدہ ہے؛ لہٰذا اگر یہ علت نہ پائی جائے تو جنت الفردوس میں داخلہ نہ ہوگا۔

⑨ **اِرادۃ العموم:** مسند الیہ کو اسمِ موصول کے ذریعے معرفہ لانا کبھی عمومیت کی غرض سے ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا﴾ (١) [العنکبوت:٦٩]

# فصلِ خامس: معرف باللام (٢)

الف لام کے ذریعے معرفہ بنانا دوغرضوں کے لیے ہوتا ہے: ① مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے کسی معہود (بین المتکلم والمخاطب) فرد کی طرف اِشارہ کرنا ② مدخول کی حقیقت کی طرف اِشارہ کرنا۔ اول کو ''لامِ عہدِ خارجی'' اور ثانی کو ''لامِ حقیقت'' یا ''لامِ جنس'' کہتے ہیں۔

① **لامِ عہدِ خارجی:** جس سے متکلم ومخاطب کے درمیان کسی ایک متعین فرد کی طرف اشارہ ہو جس کے مدخول کا ذکر کلام میں پہلے صراحتاً یا کنایتاً ہوا ہو، یا پھر نہ صراحتاً ہوا ہو اور نہ ہی کنایتاً ہو، جیسے: ﴿ٱللَّهُ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ مَثَلُ نُورِهِۦ كَمِشۡكَوٰةٖ فِيهَا مِصۡبَاحٌۖ «ٱلۡمِصۡبَاحُ» فِي زُجَاجَةٍۖ «ٱلزُّجَاجَةُ» كَأَنَّهَا كَوۡكَبٞ دُرِّيّٞ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٖ مُّبَٰرَكَةٖ﴾ (٣) [النور:٣٥].

---

① یعنی جو لوگ (بھی) اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو ایک خاص نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا کی یا جنّت کی راہیں سجھاتا ہے؛ چاہے وہ عربی ہو یا عجمی، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، کالا ہو یا گورا؛ ہر ایک کو یہ حکم عام ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

② **معرَّف باللام:** وہ اسم ہے جس کو الف لام داخل کر کے معرفہ بنایا گیا ہو، جیسے: الرَّجُلُ.

③ یہاں ﴿ٱلۡمِصۡبَاحُ﴾ اور ﴿ٱلزُّجَاجَةُ﴾ دونوں معرف باللام ہیں جس سے ما قبل میں مذکور =

② **لامِ حقیقت:** جس سے مدخول کی حقیقت وماہیت مراد ہو، جیسے:
﴿ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ﴾ (۱) [النساء:٣٤].
لامِ حقیقت کی تین صورتیں ہیں: جنسی، استغراقی اور عہدِ ذہنی۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

## فصلِ سادس: معرفہ بہ اِضافت (۲)

مسند اِلیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی اغراضِ بلاغیہ یہ ہیں:
الإيْجَاز والاخْتِصَار، تَعْظِيْم المضَافِ، تَحْقِيْر المضَافِ، تَعذُّر التَّعَدُّد، لتَعَسُّر التَّعَدُّد، قَصْد العُمُوْم.

① **اِیجاز واختصار:** کلام کو مختصر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَ«عِبَادُ ٱلرَّحْمَٰنِ» ٱلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى ٱلْأَرْضِ هَوْنًا﴾ (۳) [الفرقان: ٦٣].

---

﴿مِصْبَاحٌ﴾ اور ﴿زُجَاجَةٍ﴾ کی طرف اشارہ ہے۔
ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: جب ایک ہی اسم کو دو مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے تو اُس کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔ تفصیل کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔
(۱) مرد عورتوں کے نگران ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک (جنس) کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔
(۲) مضاف الی المعرفہ: جو معرفہ بہ ندا کے علاوہ معرفہ کی پانچ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔
(۳) اِس جگہ ﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کی مختصر راہ ہے، اِس عبارت کی بہ نسبت یوں کہا جائے: «والعِبَاد الذِين يَعْبُدُوْن الرَّحْمٰن همُ» الذين إلخ؛ نیز اِس اضافت سے مضاف کی تعظیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ (علم المعانی)

② **تعظیم مضاف:** مضاف کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، یعنی: اضافت کرنے سے مضاف کی تعظیم مستنبط ہو، جیسے: ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن «رَّسُولَ ٱللَّهِ» وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾ (۱) [الأحزاب:۳۹]

③ **تحقیر مضاف:** مضاف کی حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو؛ جیسے: ﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ «أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ»۝٨﴾ (۲) [الزمر]

④ **تعذُّر التعدُّد تعسُّر التعدد:** کسی عددی چیز کی گنتی اور شمار کرنا دشوار یا مشکل ہو (۳)؛ تعذر کی مثال: ﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ﴾ [آل عمران:۷۱]، اور تعسر کی مثال: ﴿إِنَّا مُهْلِكُوٓاْ أَهْلِ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ﴾ [العنكبوت:۳۱]، أي: قَرِيَة لُوْط، واسْمُها «سُدُوْم».

⑤ **قصد العموم:** اِضافت کے اُسلوب سے کبھی عمومیت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ «أَمْرِهِۦٓ»﴾ (۴) [النور:۶۳].

---

① یہاں ''رسول'' کی اضافت ''اللہ'' کی طرف برائے تعظیم ہے۔(علم المعانی)

② تُو کہہ: (اے انسان!) اچھا! کافرہ کر چندروز یہاں اَورعیش اُڑا لے، اِس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے۔

③ تعذُّر اور تعسُّر کے درمیان فرق یہ ہے کہ: بڑی دشواری کو''تعذر'' اور نسبتاً کم دشواری کو''تعسر'' کہتے ہیں۔

④ یہاں ﴿أَمْرِهِ﴾ سے «كل أمر الله والرسول» مراد ہے، یعنی اِس مختصر لفظ میں اللہ ورسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام اَوامر کا اِحاطہ کرلیا ہے۔(الاتقان فی علوم القرآن)

# فصلِ سابع: ندا[۱]

کلام کا کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ منادیٰ ہے تو اُس کی اغراض یہ ہیں: لَمْ يُعْرَفْ للمُخَاطَب عُنْوَان خَاصٌّ، الإشَارَة إلَى العِلَّة.

① **لم يُعْرَف للمخاطَب عُنْوان خاصّ:** جب کہ متکلم مخاطب کے کسی خاص عنوان (عَلَم یا صلہ وغیرہ) کو نہ جانتا ہو، جیسے: ﴿ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ «أَيَّتُهَا ٱلْعِيرُ» إِنَّكُمْ لَسَٰرِقُونَ ۝٧٠﴾[۲] [يوسف].

② **الإشارة إلى العلة:** کسی چیز کی علت کی طرف ایما واشارہ کرنے کے لیے منادیٰ مخاطب کو بہ جائے اُس کے خاص نام کے کسی ایسے وصف سے پکارنا جس سے دیے جانے والے حکم کی علت کی طرف اشارہ ہو، جیسے: ﴿«يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ» بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ﴾[۳][المائدة:٦٧]

---

① معرفہ بہ ندا: وہ اسم جو پکارنے کی وجہ سے معرفہ بن جائے، جیسے: يا رَجُلُ۔ اِس میں «یا» حرف ندا ہے، اور «رَجُلُ» منادیٰ۔

② دیکھیے! یہاں پکارنے والے کو قافلے والوں کا مطلق کوئی علم نہ تھا؛ لہٰذا یہ اسلوب اختیار کیا۔

③ دیکھیے! یہاں پیغمبر کو پیغام رسانی پر اُبھارنے کے لیے اُنھیں منصبِ رسالت سے پکارا گیا۔

ملحوظہ: کبھی ندا میں خطاب عام ہوتا ہے جس میں حاضرین وغائبین تمام شامل ہوتے ہیں، جیسے: خروجِ دجال کے وقت کے مخاطبین سے آپ ﷺ کا خطاب: يَا عِبَادَ اللهِ! اِلْبَثُوْا؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وہ تمام خطابات بھی اِس میں شامل ہیں جن کا تعلق پوری اُمت سے ہے۔

# تنکیر: فصلِ اوّل: تنکیرِ مسند الیہ [1]

جب مسند الیہ کو معرفہ لانے کی سات صورتوں سے متعلق اغراض میں سے کوئی بھی غرض وابستہ نہ ہو؛ بلکہ نکرہ استعمال کرنے کی کوئی غرض وابستہ ہو تو اُس وقت مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے۔

مسند الیہ کو بہ جائے معرفہ کے نکرہ لانے میں بُلغا کی اغراض یہ ہیں:

تَنْكِيْر المسْنَد إلَيْه، قَصْد الإفْرَاد، قَصْدُ النَّوْعِيَّة، التَّقْلِيْل، التَّكْثِيْر، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر.

① **تنکیر مسند الیہ:** یہ بتانا کہ مسند الیہ ایک فردِ غیر معین ہے؛ اور مسند الیہ کو نکرہ اُس وقت لایا جاتا ہے جب کہ اُسے بہ صورتِ معرفہ لانے کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو، جیسے: ﴿وَجَآءَ «رَجُلٌ» مِّنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ﴾ [2] [القصص:۲۰].

② **قصد اِفراد:** وحدت کا معنیٰ بیان کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَقَالَ ٱللَّهُ لَا تَتَّخِذُوٓاْ إِلَٰهَيْنِ ٱثْنَيْنِۖ إِنَّمَا هُوَ «إِلَٰهٌ» وَٰحِدٌ﴾ [3] [النحل:۵۱]

---

① نکرہ: وہ اسم ہے جو کسی غیر معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: فَرَسٌ: کوئی گھوڑا۔

② شہر کے بالکل دور دراز علاقے سے ایک (نیک طینت) شخص دوڑتا ہوا آیا۔ یہاں مسند الیہ (رجل) کی تعیین سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔

③ دو دو معبود نہ بنا بیٹھنا! وہ تو بس ایک ہی معبود ہے؛ یہاں ﴿واحد﴾ کا لفظ برائے تاکید ہے، نہ برائے عدد؛ کیوں کہ عدد (وحدت) کا مقصد تو لفظِ (اِلٰہ) سے پورا ہو گیا ہے۔ (علم المعانی)

③ **قصد النَّوْعِية :** یعنی عبارت میں ذکر کردہ اسم نکرہ ایک ایسی مخصوص نوع سے تعلق رکھتا ہے جو مخاطب کے نزدیک مشہور ومعروف نوع سے علاحدہ ہے، جیسے:
﴿خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمۡ وَعَلَىٰ سَمۡعِهِمۡۖ وَعَلَىٰٓ أَبۡصَٰرِهِمۡ «غِشَٰوَةٞۖ»﴾(۱)

[البقرة:۷]

④ **تقليل :** قلّت وکمی بتلانا، جیسے: ﴿وَرِضۡوَٰنٞ مِّنَ ٱللَّهِ أَكۡبَرُۚ﴾(۲)

[التوبة:۷۲]

⑤ **تکثیر :** زیادتی بتلانا، جیسے: ﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدۡ كُذِّبَتۡ «رُسُلٞ» مِّن قَبۡلِكَۚ﴾(۳) [فاطر:٤]

⑥ **تعظیم:** عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ «حَيَوٰةٞ» يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ١٧٩﴾(۴) [البقرة].

⑦ **تحقیر :** حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿مِن نُّطۡفَةٍ خَلَقَهُۥ﴾(۵)

[عبس:۱۹]

---

① اور اُن کی آنکھوں پر (ایسا مخصوص غارت کرنے والا) پردہ پڑا ہوا ہے (جس کی وجہ سے وہ راہِ حق کو نہیں دیکھ پاتے)۔ (علم المعانی)
② اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے معمولی رضامندی بھی دنیا کی ہر قسم کی نعمت سے بڑھ کر ہے۔ (علم المعانی)
③ آپ سے پہلے بہت سے بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے۔ یہ مثال تعظیم وتکثیر دونوں ہی کی ہے؛ کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینے کا مقام ہے۔
④ دیکھیے! یہاں قصاص کا حکم دے کر بتایا کہ اُس میں حیاتِ عظیمہ ہے؛ کیوں کہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رُکے گا تو دونوں کی جانیں محفوظ رہیں گی، اور قصاص کے سبب قاتل ومقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔ =

# فصلِ ثانی: تعریفِ مسند کی اغراض

مسند کو معرفہ لانے کی اغراض: ① إفَادَةُ القَصْر ② إفَادَةُ اللَّطَائِف ③ تَعْظِيْم المسْنَدِ إليْه.

① **افادۂ قصر:** مسند کو مسند الیہ پر منحصر ہونے کا فائدہ دینا، جیسے: ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِۦ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝٦٧ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ «ٱلْأَعْلَىٰ» ۝٦٨﴾ (۱) [طٰہٰ].

② **افادۂ لطائف:** مسند کے مسند الیہ پر منحصر ہونے سے بڑھ کر ایسے لطائف ودقائق کا بیان کرنا جس کا اِدراک ایک بُلند اَسالیب اور عمدہ تعبیرات سے باخبر آدمی کرلے؛ اور یہ فائدہ خبر کو معرفہ بہ ذریعۂ اسم موصول لانے سے حاصل ہوگا، جیسے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِىٓ أَنشَأَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝٧٨﴾؛ ﴿وَهُوَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ وَلَهُ ٱخْتِلَٰفُ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝٨٠﴾ (۲) [المؤمنون]

---

= ⑤ یعنی: اے انسان! تُو اپنی پیدائش پر غور کر کہ تجھے پیدا کیا ہے ایک ناچیز اور بے قدر قطرۂ آب سے۔

① اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ دل سے ڈر نکال دیجیے! آپ ہی غالب اور سر بلند رہوگے نہ کہ ساحرین! دیکھیے! یہاں (الاعلیٰ) مسند کی تعریف سے مسند الیہ پر حصر وقصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ (علم المعانی، فوائد)

② اِن آیات میں خبر کو بذریعۂ اسمِ موصول ذکر کرتے ہوئے صلہ میں مشہور چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾، ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ لاکر مخلوق کو صلہ میں ذکر کردہ امور میں مشغول ہونے اور=

③ **تعظیمِ مسند الیہ :** مسند نکرہ کی اضافت کسی عظمت وشرافت اور رفیع المرتبت ذات کی طَرف کر کے مسند الیہ میں تعظیم پیدا کرنا، جیسے: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ﴾[1] [الفتح: ۲۹].

= تدبر کرنے پر اُبھارا ہے، یعنی: اللہ نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں؛ پس کانوں سے اُس کی آیاتِ تنزیلیہ کو سنو، آنکھوں سے آیاتِ تکوینیہ کو دیکھو، اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

① دیکھیے! یہاں ﴿رَّسُولُ﴾ مسند کی اضافت باری عزاسمہٗ کی طرف فرما کر ﴿مُّحَمَّدٌ﴾ میں تعظیم پیدا کرنا مقصود ہے۔

# بابِ ثالث: در تقدیم وتاخیر

## فصلِ اوّل: تقدیمِ مسندالیہ

**تقدیم وتاخیر:** کلام کے کسی ایک جزو کو مقدم کرنا اور دوسرے کو مؤخر کرنا۔

متکلم اپنے کلامِ ذہنی (کلامِ نفسی) کو کلامِ لفظی میں دفعتًا واحدۃً تعبیر نہیں کرسکتا؛ لہٰذا وہ لامحالہ اجزائے کلام میں سے کسی جزو کو دوسرے سے مقدم ومؤخر کرنے کا محتاج ہوگا، اور فصیح متکلّم کی یہ تقدیم وتاخیر ضرور کسی نہ کسی داعیہ سے ہوگی؛ تقدیمِ مسندالیہ کے اسباب ودواعی مندرجۂ ذیل ہیں:

للأَهَمِّيَّة، لاتِّبَاعِ القَوَاعِد، التَّشْوِيْق إِلَى المتَأَخِّر، تَعْجِيْل المَسَرَّة، مُرَاعَاة التَّرْتِيْب الوُجُوْدِيّ، تَقْوِيَة الحُكْم بِتَكْرَار الاسْنَاد، الاسْتِلْذَاذ.

① **اَهَمِّيَّة:** جملۂ اسمیہ میں مسندالیہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس کی تقدیم اصل ہے، جیسے: ﴿ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢﴾(١) [الإخلاص].

② **اِتباع القواعد:** قواعد کی رعایت میں مسندالیہ کو مقدم کرنا جیسا کہ اُن الفاظ میں جن کے لیے صدرِ کلام ہے، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢٣ قَالَ رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ﴾(٢) [الشعراء]

---

① جملہ اسمیہ میں مسندالیہ (مبتدا) اہم ہوتا ہے؛ لہٰذا لفظِ ﴿ٱللَّهُ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے۔

② اِس جگہ ﴿مَا﴾ مبتدا، مسندالیہ کو صدارتِ کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ استفہامی معنیٰ ادا کرتا ہے۔

③ **التشویق الی المتاخر:** نُدرت وغرابت کی جانب اِشارہ کرنے والے لفظ کوشروع میں لانا؛ تاکہ مخاطب آنے والے کلام کوشوق ورغبت اور دھیان سے سنے، جیسے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [1] [الحجرات:۱۳]

④ **تعجیل المَسَرَّة:** اچھی چیز سے مخاطب کوجلدی باخبر کرنے کے لیے مسند الیہ کومقدم کرنا، جیسے: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا «سَلَٰمٌ» عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَٱدْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ ﴿٧٣﴾﴾ [2] [الزمر]

⑤ **مُراعاةُ الترتیب الوُجُودِيّ:** چند مسند الیہ کوذکر کرتے وقت واقعی اور فطری ترتیب کی رعایت کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ «ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ» مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ﴾ [البقرۃ:۱۵۸]؛ ﴿لَا تَأْخُذُهُۥ «سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ»﴾ [3] [البقرۃ: ۲۵۵]

⑥ **تقوية الحكم بتكرار الإسناد مع الاختصاص:** تکرارِاسناد کے ذریعے حکم کو پختہ کرنا جب کہ خبر فعل ہو، جیسے: ﴿«وَٱللَّهُ» أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ

---

① یہاں «أَكْرَمَكُمْ» مسند الیہ سنتے ہی یہ شوق پیدا ہوگا، کہ ایسا کون ہے جو رب العالمین کے دربار میں معزز ہے؟۔

② یہاں مسند الیہ «سَلَٰمٌ» کو برائے تعجیل المسرت مقدم کیا ہے۔
تعجیل المساءۃ: کسی بُری چیز سے مخاطب کو جلدی سے باخبر کرنا ہو، جیسے: ﴿«ٱلنَّارُ» مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ﴾ [الانعام:۱۲۸].

③ یہاں دومسند الیہ میں سے صفا کا ذکر مروہ سے پہلے فرمانا ترتیبِ واقعی کے پیش نظر ہے۔ نیز پہلے اونگھ آتی ہے پھر نیند، اِن دونوں مسند الیہ میں ترتیبِ واقعی کی رعایت کی ہے۔ نیز دو جملوں کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا بھی اِسی میں داخل ہے، جیسے: ﴿فَخَلَقْنَا ٱلْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا ٱلْمُضْغَةَ عِظَٰمًا، فَكَسَوْنَا ٱلْعِظَٰمَ لَحْمًا؛ ثُمَّ أَنشَأْنَٰهُ خَلْقًا ءَاخَرَ﴾ [المؤمنون:۱۴].

مَآءً فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَآۚ﴾(۱) [النحل: ٦٥].

۷ **استلذاذ:** لذت حاصل کرنے کے لیے مسندالیہ کو مقدم کرنا جب کہ مسندالیہ قابلِ لذّت ہو، جیسے: ﴿«وَٱللَّهُ» أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَآۚ...۝ وَ«ٱللَّهُ» خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّىٰكُمْۚ...۝ وَ«ٱللَّهُ» فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي ٱلرِّزْقِۚ...۝ وَ«ٱللَّهُ» جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا...۝﴾ [النحل]

## فصلِ ثانی: تقدیمِ مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے مقدّم کیا جاتا ہے، اُن ہی اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی مقدم کر دیا جاتا ہے۔تقدیمِ مسند کے دواعی مندرجۂ ذیل ہیں:

كَوْنُه عَامِلا، لاتِّبَاعِ القَوَاعِدِ، التَّخْصِيْص، التَّشْوِيْق إلى المتَأَخِّر، المحَافَظَة عَلى سَجْع، كَوْن المقَدَّم مَحَطّ التَّعَجُّب، سُلُوْك سَبِيْل التَّرَقِّي.

۱ **كونه عاملاً:** مسند کا اپنے مابعد (مسندالیہ) میں عامل ہونا اُس کی تقدیم کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِۖ﴾(۲) [الصف:۱].

---

۱ ملحوظہ: مبتدا یا معنیٔ مبتدا کے بعد خبر میں فعل کو لایا جائے گا تو وہ فعل دو مرتبہ مسند ہوگا، اوّلاً مبتدا کی طرف مسند ہوگا خبر ہونے کے اعتبار سے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہوگا عامل ہونے کے اعتبار سے؛ دیکھیے! اِس مثال میں ﴿أَنزَلَ﴾ اوّلا ﴿ٱللَّهُ﴾ کی طرف مسند ہے اور ثانیاً ضمیرِ فاعل کی طرف مسند ہے۔ (علم المعانی)

۲ یہاں ﴿سَبَّحَ﴾ کی تقدیم اپنے معمولوں پر عامل ہونے کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ عامل بہ منزلۂ علّت =

② **اتباع القواعد:** قواعد کی رعایت میں مسند کو مقدم کرنا، جیسا کہ مسند صدرِکلام کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿يَسۡـَٔلُ «أَيَّانَ» يَوۡمُ ٱلۡقِيَٰمَةِ۝٦﴾[1][القيامة].

③ **تخصیص:** حصر (مسند کے مسندالیہ کے ساتھ مخصوص ہونے) کا فائدہ دینا مقصود ہو، جیسے: ﴿«لِّلَّهِ» مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ﴾[2][البقرة:٢٨٤].

④ **تشويق إلى المتاخر:** بعد میں آنے والے مسندالیہ کا شوق دِلانا مقصود ہو، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: خَصْلَتَانِ لا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: البُخْلُ وَسُوْءُ الخُلُقِ.[3] (ترمذي)

⑤ **المحافظة على سجع:** رعایتِ سجع کی غرض سے مسند کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿أَمۡ لِلۡإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ۝٢٤ فَـ«لِلَّهِ» ٱلۡأٓخِرَةُ وَٱلۡأُولَىٰ۝٢٥﴾[4][النجم].

⑥ **كون المقدَّم محطّ التعجُّب:** مقدم ہونے والے مسند محلِّ تعجب ہے، ایسے ظاہر کرنا، جیسے: ﴿كَيۡفَ «يُحَكِّمُونَكَ» وَعِندَهُمُ ٱلتَّوۡرَىٰةُ فِيهَا حُكۡمُ

---

= ہے اور معمول بہ منزلۂ معلول؛ اور علت اپنے معلول پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

① یہاں ﴿أَيَّانَ﴾ اداتِ استفہام ہونے کی بنا پر صدرِکلام کا متقاضی ہے۔

② آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے؛ اِس میں مسند کی تقدیم، تخصیص کے لیے ہے۔

③ دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہوتیں: بخل اور بد خلقی۔ یہاں ابن الملک کے قول کے مطابق «البخل وسوء الخلق» مبتدائے مؤخر ہے اور «خصلتان» اپنے مابعد صفت سے مل کر خبر مقدم ہے؛ یہ تقدیمِ مسند برائے تشویق ہے۔

④ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؟ کیوں کہ آخرت اور دنیا تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے؛ یہاں ﴿لِلَّهِ﴾ مسند ہے، ﴿ٱلۡأٓخِرَةُ وَٱلۡأُولَىٰ﴾ مسند الیہ ہے، اور سجع کی رعایت میں مسندالیہ کی تاخیر اور مسند کی تقدیم ہوئی ہے؛ کیوں کہ فواصل کا حرفِ روی ''الف'' ہے۔

ٱللَّهِ﴾(۱) [المائدة:٤٣]

⑦ **سلوك سبيل الترقي:** چند مسندوں کو ذکر کرتے وقت فطری تقاضے کے مطابق نیچے سے اوپر کی طرف جانا، جیسے: اوّلاً عام کو ذکر کرنا، بعد ازاں خاص کو، جیسے:﴿وَٱذْكُرْ فِي ٱلْكِتَٰبِ إِبْرَٰهِيمَ إِنَّهُۥ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴿٤١﴾﴾(۲) [مریم]

## فصلِ ثالث: فعل اور معمولاتِ فعل کے درمیان تقدیم وتاخیر

فعل اور اُس کے معمولات کی ترتیب میں ''عامل'' کو ''معمول'' پر، نیز معمولات میں ''عمدہ'' کو ''فضلہ'' پر مقدّم کیا جائے گا، چناں چہ ترتیب یوں ہوگی: فعل، فاعل، مفعول بہ، مفعولِ مطلق، ظرف، مفعول لہٗ پھر بقیہ قیودات۔

فعل اور اُس کے معمولات کی اِس ترتیب میں تقدیم وتاخیر کی اغراض یہ ہیں:

---

(۱) یہود نہ آپ پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی قرآن پر ایمان رکھتے تھے، پھر تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حَکَم ٹھہراتے ہیں! اور جس تورات کو وہ خود آسمانی کتاب مانتے ہیں اُس کے فیصلے پر بھی راضی نہیں! تو حقیقت میں اُن کا ایمان کسی پر بھی نہیں، نہ قرآن پر، نہ تورات پر۔ یہاں تحکیم کو محلِ تعجب ہونے کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔(صفوۃ التفاسیر)

(۲) ''صدیقیت'' کے لیے ''نبوت'' لازم نہیں، جب کہ ''نبوت'' کے لیے ''صدیقیت'' لازمی ہے؛ لہٰذا صِدِّيقًا کے بعد ترقی فرماتے ہوئے آگے نَّبِيًّا بھی فرمایا۔

تنبیہ: مسند الیہ ومسند میں سے ہر ایک کی تقدیم دوسرے کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لہٰذا مسند ومسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بھی بعینہٖ وہی ہوں گے جو تقدیم میں گذر چکے، مثلاً مراعاتِ ترتیبِ واقعی: جیسے: ﴿إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ١٨٠]. یہاں اَقارب کو والدین سے مؤخر کرنا ترتیبِ واقعی کی رعایت میں ہے۔

التَّاكِيْد وتَقْرِيْر الحُكْم، الأَهَمِّيَّة، إِرَادَة التَّخْصِيْص، لسَجْع، لإِصَالَة التَّقَدُّم.

① **التاكيد وتقرير الحكم:** کبھی تاکید اور حکم میں پختگی کے لیے مفعول کو مقدّم کرتے ہیں، جیسے: ﴿فَأَمَّا ٱلْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا ٱلسَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠﴾(1) [الضحیٰ]

② **اهَمِّيّة:** متعلّقاتِ فعل میں سے کسی ایک کی فضیلت وخصوصیت واضح کرنے کے لیے تقدیم ہوئی ہو، جیسے: ﴿لَا تَقْتُلُوٓاْ أَوْلَـٰدَكُم مِّنْ إِمْلَـٰقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ [الأنعام:١٥١]؛ ﴿لَا تَقْتُلُوٓاْ أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾(2)[الإسراء]

③ **إرادة التخصيص:** کسی شے کے ساتھ کسی حکم کو خاص کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝٥﴾(3) [الفاتحة]

---

① یتیم وسائل کے معاملے میں رحم کرنے پر اُبھارنے اور مذکورہ حکم (منہی عنہ) میں تاکید وپختگی پیدا کرنے کے لیے یتیم وسائل کو مقدم کیا ہے؛ نیز اِس تقدیم کے ضمن میں دونوں آیتوں کے فواصل کی رعایت بھی ہوگئی ہے کہ دونوں میں حرف روِی ''راء'' ہے۔ (علم المعانی)

② بعض عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کرڈالتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں، اولاد کو کہاں سے کھلائیں! اول آیت میں اِن فقرا سے خطاب تھا اِس وجہ سے پہلے اُنھیں خوش خبری دی گئی کہ: ہم تمھیں بھی رزق دیں گے اور آنے والی اولاد کو بھی دیں گے۔ اور بعض عرب فی الحال مفلس نہ تھے؛ لیکن مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کردیتے تھے، یعنی اُن کو عیال کی فکر تھی، اِن لوگوں سے خطاب دوسری آیت میں تھا؛ لہٰذا اوّلاً عیال کے رزق کا وعدہ فرمایا پھر اُن کے رزق کا۔ (علم المعانی)

③ یہاں دونوں جگہوں پر مفعول کی تقدیم نے عبادت واستعانت کو باری تعالیٰ کے لیے مخصوص کرنے کا=

④ **لِسَجْع:** کبھی معمول کی تقدیم سے–تخصیص کے فائدے کے ساتھ– فواصل یا وزنِ شعری کی رعایت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِۦ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝٦٧﴾[1] [طٰہٰ]

⑤ **إصالة التقدُّم:** کسی لفظ میں تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے، جیسے: ﴿وَمَآ أَظُنُّ «ٱلسَّاعَةَ» قَآئِمَةً﴾[2] [الكهف:٣٦].

**ملحوظہ:** مسند ومسند الیہ میں تقدیم کا ہونا اُن کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لٰہذا مسند ومسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بھی بعینہٖ وہ ہوں گے جو تقدیم کے مذکور ہوئے۔

---

= فائدہ دیا ہے۔(علم المعانی)

① ﴿«فِي نَفْسِهِۦ»، «خِيفَةً»﴾ جار مجرور اور مفعول کی تقدیم فاعل: ''موسیٰ'' پر آیات کے فواصل (الف) کی رعایت میں ہوئی ہے۔

② یہاں ﴿أَظُنُّ﴾ افعالِ قلوب میں سے ہے جس کے دو مفعول آپس میں مبتدا خبر ہوتے ہیں، جن میں مفعولِ اول کی تقدیم اُس کے اصالتًا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: «الساعة قائمة»۔

# بابِ رابع: درذکروحذف

**ذکر و حذف:** متکلم کا اپنے کلام میں کسی کلمے کوذکرکرنا یا حذف کرنا۔

## فصلِ اوّل: ذکرِ مسندالیہ

مسندالیہ جملے میں رکن کی حیثیت لیے ہوئے ہوتا ہے؛ لہٰذا اُس کوذکرکرنا اصل ہے؛ لیکن اُس کے ساتھ دیگر اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں، جومندرجۂ ذیل ہیں:

عَدمُ وُجُوْدِ مَايَدُلُّ عَلَيْه، زَيَادَة التَّقْرِيْر والايْضَاح، التَّسْجِيْل عَلى السَّامِع، التَّعَجُّب، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر، لإفَادَة الهَيْبَة.

① **عدم وجود ما يدل عليه:** مسندالیہ کے حذف پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہ ہو، جیسے: ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ [1] [البقرة: ١٦٣].

② **زيادة التقرير والايضاح:** مسندالیہ کومخاطب کے سامنے خوب واضح اورظاہرکرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿أُوْلَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَ«أُوْلَٰٓئِكَ» هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ۝٥﴾ [2] [البقرة:٥].

④ **تسجيل على السامع:** سامع کے سامنے کسی بات کو اِس طور پر پختہ

---

① یہاں ﴿وَإِلَٰهُكُمْ﴾ مسندالیہ کوذکرکیا؛ کیوں کہ حذف کی صورت میں اُس پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں رہے گا۔

② یہاں اول مؤمنین کو اسمِ اشارہ سے متعین کیا گیا، پھر مسندالیہ اسمِ اشارہ ﴿أُوْلَٰٓئِكَ﴾ کو وضاحت وپختگی پیدا کرنے اور یہ بتانے کے لیے دوبارہ ذکرکیا گیا کہ: جس طرح وہ لوگ وصفِ ہدایت میں ممتاز ہیں، اِسی طرح فلاح وبہبود بھی اُنہیں کے لیے ثابت ہے۔

کر کے پیش کرنا کہ سامع کے لیے اُس سے انکار کی گنجائش نہ رہے، جیسے: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتَٰبٞ مِّنۡ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٞ لِّمَا مَعَهُمۡ وَكَانُواْ مِن قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُونَ عَلَى ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَلَمَّا جَآءَهُم «مَّا عَرَفُواْ» كَفَرُواْ بِهِۦۚ فَلَعۡنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٨٩﴾﴾[1] [البقرة].

④ **تعجّب:** انوکھے حکم کے اظہار پر مسندالیہ (وغیرہ) کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَءِنَّكَ لَـ«أَنتَ» يُوسُفُۖ﴾[2] [يوسف:٩٠]

⑤ **تعظیم:** مسندالیہ کی عظمت واِحترام کو ظاہر کرنے کے لیے- جب کہ اُس میں عظمت کا معنیٰ پایا جاتا ہو- ذکر کرنا، جیسے: ﴿كُلُّ ٱلطَّعَامِ كَانَ حِلّٗا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ، إِلَّا مَا حَرَّمَ «إِسۡرَٰٓءِيلُ» عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ﴾[3] [آل عمران:٩٣]

⑥ **تحقیر:** مسندالیہ کی حقارت ظاہر کرنا ہو جب کہ اُس میں حقارت کا معنیٰ پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ ﴿١﴾﴾[4] [لهب]؛ أَبُوْلَهَبٍ فَعَلَ كَذَا.

---

① یہاں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنے کے لیے اللہ پاک ﴿جَآءَهُمۡ﴾ فعل کی تکرار لائے؛ نیز مسندالیہ میں بہ جائے «كِتَٰبٞ» کے ﴿مَّا عَرَفُواْ﴾ مسندالیہ ذکر فرما کر اُن پر یہ بات پختہ کی ہے کہ: یہ کتاب برحق ہے، ''جسے اِنھوں نے پہچان بھی لیا ہے''؛ لیکن محض اِس وجہ سے کہ آپ بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کا انکار کر بیٹھے ہیں!

② بھائیوں نے سخت متعجب وحیرت زدہ ہوکر کہا: سچ بتاؤ! کیا تم ہی یوسف ہو؟ اِس آیت میں «أ إنك يوسف» بھی کہہ سکتے تھے؛ لیکن تعجب کے اظہار کے لیے ﴿أَنتَ﴾ مسندالیہ ثانی کو ذکر کیا۔

③ دیکھیے: اسرائیل کے معنیٰ: معزز وشریف آدمی، سخی، صاحبِ مروت ہے، یہاں بہ جائے یعقوب کے لفظِ اسرائیل سے اُن کی تعظیم مقصود ہے۔

④ یہاں بہ جائے ''عبدالعزی'' اسمِ علم کے کنیت ﴿أَبِي لَهَبٖ﴾ کا تذکرہ فرما کر اُس کے جہنّمی ہونے =

⑦ **اِفادۃ الھَیْبۃ:** مسندالیہ کا جلال ووقار بتلانا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ «ٱللَّهَ» هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ۝٥٨﴾(۱) [الذاریات:۵۸].

## فصلِ ثانی: ذکرِ مسند

کلام میں مسند کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے والے قرینہ کے ہوتے ہوئے مسند کو ذکر کرنا اور حذف نہ کرنا چند اغراض کی بنا پر ہوتا ہے۔ ذکرِ مسند کے دواعی یہ ہیں:

الحُدُوْث، الثُّبُوْت والدَّوَام، عَدَمُ وُجُوْد مَا يَدُلُّ عَلَيْه، زِيَادَة التَّقْرِيْر والاِيْضَاح.

① **حدوث:** مسند کا فعل کی صورت میں ذکر کرنا، تاکہ وہ فعل اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں مسند کے واقع ہونے کا فائدہ دے، جیسے: ﴿يَمْحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾(۲) [الرعد: ۳۹]

② **ثبوت ودوام:** مسند کا ذکر دوام وثبوت کا فائدہ دے، بہ شرطے کہ خبر اسمِ مشتق ہو، جیسے: ﴿إِنَّ «ٱللَّهَ» عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ۝١١٩﴾(۳).

= سے کنایہ کیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

(۱) اللہ تو خود ہی رزّاق ہے۔ یہاں بھی بجائے ضمیر کے اسمِ ذات کو ذکر کرنا ''افادۃ الھیبۃ'' کے لیے ہے۔

(۲) ملحوظہ: تعریف کے موقع پر استمرارِ تجددی کا فائدہ دینے کے لیے مسند کو فعلِ مضارع کی صورت میں لایا جاتا، جیسے: ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا ٱلْجِبَالَ مَعَهُۥ يُسَبِّحْنَ بِٱلْعَشِيِّ وَٱلْإِشْرَاقِ۝١٨﴾ [ص: ۱۸].

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں؛ دیکھیے! یہاں خبر کا ثبوت دائمی ہے۔ (علم المعانی)=

ثبوت ودوام اور حدوث وتجدُّ د دونوں کی ایک مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْاْ إِلَى ٱلطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَـٰٓفَّـٰتٍ وَيَقْبِضْنَ﴾(۱) [الملك: ۱۹]

③ **عدم وجود ما يدل عليه**: مسند کے حذف پر کوئی قرینہ نہ ہو تو اُسے ذکر کرنا اصل ہے، جیسے: ﴿قَالَ يَـٰمُوسَىٰٓ إِنَّ ٱلْمَلَأَ «يَأْتَمِرُونَ» بِكَ﴾(۲)

[القصص: ۲۰]

④ **زيادة التقرير والإيضاح**: مسند کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور

---

= ملحوظہ: جس طرح اسم ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اِسی طرح جملہ اسمیہ بھی ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا تاکیدی مقامات کو جملہ اسمیہ سے تعبیر کرنا مستحسن ہے۔ اور فعل جس طرح حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اِسی طرح جملہ فعلیہ بھی حدوث اور تجدُّ د پر دلالت کرتا ہے؛ ایک ہی جگہ دونوں کی تعبیر کے لیے آیتِ کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَإِذَا لَقُواْ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قَالُوٓاْ «ءَامَنَّا»، وَإِذَا خَلَوْاْ إِلَىٰ شَيَـٰطِينِهِمْ قَالُوٓاْ «إِنَّا مَعَكُمْ» إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ﴾ [البقرة]. (علم المعانی)

یہاں منافقین کا طرزِ عمل بتایا کہ: جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو چوں کہ ایمان اُن کے دلوں میں ثابت وراسخ نہیں ہے، لہٰذا اُس کو ﴿ءَامَنَّا﴾ جملۂ فعلیہ سے تعبیر کرتے تھے؛ اور جب شیاطین اور رؤسائے منافقین سے ملتے تھے تو چوں کہ اُن کے دلوں میں کفر وشرک راسخ اور ثابت تھا تو اُس کو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ جملۂ اسمیہ سے تعبیر کرتے تھے۔

① اِس آیتِ کریمہ میں اُڑتے ہوئے پرندوں کے پَروں کے پھیلانے کو ﴿صَـٰٓفَّـٰتٍ﴾ اسم سے تعبیر کیا جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اور پروں کے سمیٹنے کو ﴿وَيَقْبِضْنَ﴾ فعل سے تعبیر کیا جو حدوث اور تجدُّ د پر دلالت کرتا ہے؛ کیوں کہ اُڑتے پرندوں میں پروں کا پھیلانا دائمی ہوتا ہے، سمیٹنا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

② یہاں مسند ﴿يَأْتَمِرُونَ﴾ کو ذکر کیا گیا ہے؛ اِس لیے کہ حذف کی صورت میں اِس پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔

ظاہر کرنا ہو، جیسے: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ، لَيَقُولُنَّ: «خَلَقَهُنَّ» ٱلْعَزِيزُ ٱلْعَلِيمُ ۝٩﴾ [الزخرف]؛ ﴿قَالَ مَن يُحْيِ ٱلْعِظَٰمَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝٧٨ قُلْ «يُحْيِيهَا» ٱلَّذِيٓ أَنشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝٧٩﴾(١) [يٰس]

# حذف

**حذف:** کسی حرف، کلمے یا جملے کو اِس طرح حذف کرنا جو اعراب سے ظاہر نہ ہو(٢)۔

**حذف کے فوائد:** معلوم ہونا چاہیے کہ ہر جگہ محذوف میں (چاہے وہ مسند ہو یا مسند الیہ ہو یا متعلقاتِ فعل کے قبیل سے ہو) کچھ بلاغتی خوبیاں ضرور ہوتی ہیں، جن میں سے حذف کی اہم خوبیاں یہ ہیں: ایجاز واختصار، احتراز عن عبث، تحریکِ

---

(١) آیتِ اولیٰ: یہاں وضاحت اور پختگی کی زیادتی اور تسجیل علی الکفار کی وجہ سے ﴿خَلَقَهُنَّ﴾ کو جواب میں دوبارہ ذکر کیا گیا؛ کیوں کہ اللہ کی عظمت وقدرت اور کمالِ تصرف ایک حد تک اُن کے نزدیک بھی مسلّم تھا۔(علم المعانی)

آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿يُحْيِيهَا﴾ کو ذکر فرمانا زیادۃ التقریر کے قبیل سے ہے۔

(٢) معلوم ہونا چاہیے کہ: ''حذف'' خلافِ اصل ہے، اِس کی دو قسمیں ہیں: ١- وہ محذوف جو اعراب سے معلوم ہو جائے، جیسے: أهلًا وسهلًا، یہ بلاغت کی قسم نہیں ہے۔ ٢- وہ حذف جو اعراب سے ظاہر نہ ہوتا ہو، جیسے: زيد يعطي ويمنع، يعني: يعطي مايشاء، یہ وہ قسم ہے جس میں بلاغت کے رموز واسرار مخفی ہوتے ہیں، اِن اسرار کا احاطہ کرنا دشوار ہے؛ اِسی وجہ سے امام جرجانیؒ نے بابِ حذف کی بابت فرمایا ہے: إنه بابٌ دَقيقُ المَسْلك شَبيهٌ بالسِّحْر، فإنَّك تَرىٰ ترك الذكر أفصح۔(جواہر البلاغت)

خیال، تنبیہ علی اعجاز، فوتِ مقاصد[١]۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ ہو۔

## فصلِ ثالث: حذفِ مسندالیہ

حذفِ مسندالیہ کے اسباب ودواعی مندرجۂ ذیل ہیں:

التَّنْبِيْه عَلى تَعْيِيْن المحْذُوْف، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر، المحَافَظَة عَلى وَزْنٍ وَقَافِيَه، اِتِّبَاع القَوَاعِد، كَوْنُ المسْنَد لايَلِيْق إلاَّ بِه، إسْنَاد الفِعْل إلَى النَّائِب، دَلالَةُ القَرَائِن، ظُهُوْر المسْنَد إلَيْه.

**① تنبيه على تعيين المحذوف:** محذوف کے متعین ہونے پر متنبہ کرنا؛ اگرچہ اِدّعاءً ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ: وَمَا رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ؟﴿٢٣﴾ قَالَ: رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ﴿٢٤﴾﴾[٢] [الشعراء]،

---

① ملحوظہ: یادرہے کہ جملہ مسند اور مسندالیہ سے وجود میں آتا ہے، نیز کبھی متعلقاتِ جملہ (مفعول، ظرف، مصدر اور جار مجرور وغیرہ) سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے، اب جہاں کہیں حذف ہوتا ہے تو وہاں دو بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے جن کے بغیر کلام کے جزو کو حذف کرنا بیکار اور نامعقول ہوتا ہے:

١-محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کا ہونا جو محذوف کو طے کرلے۔

٢- بلاغت (حسنِ بیان) سے متعلق اسرار (بھیدوں) میں سے کسی بھید کا ہونا؛ یہ اسرار بہت سارے ہیں، جو کتبِ بلاغت میں مذکور ہیں۔

ملحوظہ: اوپر ذکر کردہ پانچ بنیادی خوبیاں ہر حذف میں ملحوظ ہوتی ہیں؛ ورنہ اُس سے زائد خوبیاں بھی حذف میں ملحوظ رہتی ہیں جو حذفِ مسند، حذفِ مسندالیہ اور حذفِ متعلقاتِ فعل میں مذکور ہوں گی۔

② اپنی بابت رُبوبیت کا دعوی کرنے والے فرعون نے پوچھا: رب العالمین کون ہے؟ باری تعالیٰ نے فرمایا: آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیرِ تربیت ہے وہی رب العالمین ہے؛ یہاں ﴿رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ﴾ سے پہلے ﴿رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ کو حذف کردیا ہے؛ اور متنبہ کیا کہ ربّ العالمین تو وہی ہوسکتا=

أيْ: رَبُّ العَالَمِيْنَ هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰت.

② **تعظیم:** کسی کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نام نہ لینا، جیسے: ﴿وَٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ﴾[1] [البقرة: ٤]

③ **تحقیر:** کسی کی ذلّت مدِّنظر رکھتے ہوئے اپنی زبان کو اُس کے نام سے بچانا، جیسے تعظیم وتحقیر دونوں کی مثال: ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ «يُقَٰتَلُونَ» بِأَنَّهُمۡ «ظُلِمُواْۚ» وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيرٌ ۝٣٩﴾[2] [الحج:٣٩].

④ **محافظت علی وزن او قافیۃ:** نظم میں وزنِ شعری کی اور نثر کے جملوں کے آخری حرف (فاصلہ) کی رعایت کرنا ہو، جیسے: ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُۥ مِن نِّعۡمَةٖ تُجۡزَىٰٓ ۝١٩﴾[3] [الليل:١٩].

⑤ **اِتباع القواعد او الاستعمال:** قواعدِ عربیہ یا استعمالِ عرب کی رعایت میں مسندالیہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿فَصَبۡرٞ جَمِيلٞۖ﴾ [يوسف:١٨]، أيْ:

---

= ہے جو ربّ السماوات والارض ہو۔

(۱) یہاں عبارت یوں تھی: «يؤمِنُوْن بمَا أنزَلَ اللهُ إليْك» یہاں سے ایمان والوں کے نزدیک بُلند وبرتر، عالی شان ذات کا علَم (لفظِ جلالہ) کو تعظیماً واحتراماً حذف کر دیا گیا ہے؛ یہی حال اگلی آیت کا بھی ہے۔(علم المعانی)

(۲) یہاں ﴿أُذِنَ﴾ کے فاعل اللہ کو تعظیماً حذف کیا گیا ہے، نیز ﴿يُقَٰتَلُونَ، ظُلِمُواْۚ﴾ کے فاعل (کفار یا منافقین) کو تحقیراً حذف کیا گیا ہے۔

(۳) اِس جگہ اصل عبارت «من نعمة يَجْزِيها» ہے جس میں فعل کا مسندالیہ ضمیر ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف عائد ہے؛ لیکن رعایتِ فواصل میں ضمیر مسندالیہ کو حذف کرکے ﴿مِن نِّعۡمَةٖ تُجۡزَىٰٓ﴾ فرمایا ہے۔ اور ترکیبی اعتبار سے (تجزی)، (نعمة) کی صفت ہے۔

صَبْرِيْ صَبْرٌ جَمِيْلٌ(۱).

⑥ **كوْنُ المسند لايليق إلا به:** مسند کا کسی خاص مسند الیہ ہی کے لائق ومناسب ہونا، جیسے: ﴿عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلۡكَبِيرُ ٱلۡمُتَعَالِ۝٩﴾(۲) [الرعد]؛ ﴿فَعَّالٞ لِّمَا يُرِيدُ۝١٦﴾ [البروج]

⑦ **إسناد الفعل إلى النائب:** نائب فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی حذفِ مسند الیہ کے قبیل سے ہے، جیسے: ﴿«فَغُلِبُواْ» هُنَالِكَ وَٱنقَلَبُواْ صَٰغِرِينَ۝١١٩ وَ«أُلۡقِيَ» ٱلسَّحَرَةُ سَٰجِدِينَ۝١٢٠﴾(۳) [الأعراف].

⑧ **دلالة القرائن:** مسند الیہ پر قرائن دلالت کرتے ہوں، جیسے: ﴿فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا، وَقَالَتۡ: عَجُوزٌ عَقِيمٞ۝٢٩﴾(۴) [الذاريات].

⑨ **ظهور المسند إليه:** سامع کی نظر میں مسند الیہ بالکل ظاہر ہو تو اُس کو

---

① دیکھیے! یہاں ''صبری'' مبتدا محذوف ہے، اور مبتدا کو وجوبًا حذف کرنے کی آٹھ جگہوں میں سے ایک یہ ہے کہ: خبر ایسا مصدر ہو جو فعل کے قائم مقام ہو، أي: صَبَرْتُ صَبْرا جمِيْلا ۔(شرح ابن عقیل)

② ترجمہ: (وہ اللہ) غائب وحاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اُس کی ذات بہت بڑی ہے، اُس کی شان بہت عالی ہے۔ مذکورہ صفات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں؛ گویا مسند الیہ ادعاءً طے ہے۔(علم المعاني)

③ یہاں ﴿فَغُلِبُواْ﴾ اور ﴿أُلْقِيَ﴾ دونوں کو مجہول لایا گیا ہے، اول میں حکمت یہ ہے کہ ساحروں پر غالب آنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے؛ بلکہ غالب آنے والی ذات توصرف اللہ کی ہے۔ اِسی طرح ﴿أُلْقِيَ﴾ کو مجہول استعمال کرنا یہ بتلاتا ہے کہ: کوئی ایسا قوی حال اُن جادوگروں پر طاری ہوا تھا جس کے بعد بجز خضوع واستسلام کے کوئی چارہ نہیں رہا۔

ملحوظہ: فعل کا فاعل بالکل ظاہر اور واضح ہو تو اُسے بھی حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ ٱلتَّرَاقِيَ۝٢٦﴾ [القيامة].

④ یہاں قرینۂ حال کی وجہ سے بہ جائے «أنا عجوز عقيم» کے صرف ﴿عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ فرمایا۔

ذکر نہیں کیا جاتا، جیسے: ﴿وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝﴾[1] [القارعة]

## فصلِ رابع: حذفِ مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، اُنھیں اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے، اُن میں سے بعض یہ ہیں:

اِتِّبَاع القَوَاعِد، دَلالَةُ قَرِيْنَةٍ عَلَى تَعْيِين المسْنَد، تَعْظِيْم المسْنَد إِلَيْه، تَحْقِيْر المسْنَد، الاحْتِرَاز عَن العَبَث، مُحْتَمَل الوَجْهَيْن.

① **اتباع القواعد:** قواعدِ عربیہ کی رعایت میں مسند کو حذف کرنا، جیسے: ﴿لَوْلَآ أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝﴾[2] [سبأ]، أي: لَوْلا أَنْتُم مَوْجُوْدُوْنَ.

② **دلالة القرينة على تعيين المسند:** محذوفِ مسند کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، چاہے وہ متکلم کے کلام میں ہو یا دوسرے کے کلام میں ہو، جیسے: ﴿فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ ٱلَّذِى فَطَرَكُمْ﴾ [بني اسرآءيل:٥١]؛ ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ﴾[3] [لقمان:٢٥].

③ **تعظیمِ مسندالیہ:** مسند الیہ کی عظمت و رفعت کو ظاہر کرنے کے لیے

---

① أي: هي نَارٌ حَامِيَةٌ، ترجمہ: جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اُس کا ٹھکانہ ایک گہرا گڑھا ہوگا، اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

② اِس مثال میں «مَوْجُوْدُوْنَ» مسند کو حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ اہلِ عرب کے نزدیک لَوْلا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن عقیل)

③ کسی فعل کے بابت سوال کے جواب میں فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے؛ مثالِ اول: أي: يُعِيْدُكم الذي فَطَرَكم؛ مثالِ ثانی: لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ اللهُ.

مسند کو حذف کرنا، جیسے: ﴿وَمَا نَقَمُوٓاْ إِلَّآ أَنْ أَغْنَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ مِن فَضْلِهِۦ ۚ﴾(۱) [التوبة:۷٤].

④ **تحقیرِ مسند:** کسی مسند کو تحقیراً حذف کردینا، جیسے: ﴿أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ﴾(۲) [الزمر:۲۲]

⑤ **احتراز عن عبث:** لغو اور بے کار کلام سے بچتے ہوئے؛ کیوں کہ وہاں مسند کے حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ موجود ہے، جیسے: ﴿أَنَّ اللّٰهَ بَرِيْءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهُ﴾(۳) [التوبة:۳]

⑥ **محتمل الوجہین:** کسی جگہ مسند اور مسند الیہ میں سے ہر ایک کے محذوف ہونے کا احتمال ہو، جیسے: ﴿أَقْسَمُواْ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ

---

① دیکھیے! یہاں مشہور ترکیب کے مطابق ﴿رَسُوْلُهُ﴾ کا عطف ﴿ٱللَّهُ﴾ پر ہے؛ لیکن دوسری ترکیب یہ بھی ہے کہ: ﴿رَسُوْلُهُ﴾ سے پہلے «أَغْنٰهُمْ» مسند کو محذوف مانیں، اور عبارت یوں مانیں: «إلا أنْ أغناهم اللّٰهُ من فَضْله، وأغْناهمْ رَسُوْلُه مِن فضْله» تو یہاں «رسوله» سے پہلے «أغناهم» مسند کو حذف کرنا مسند الیہ کی تعظیم پر دلالت کرے گا؛ اور اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِغناء کو اللہ تعالیٰ کے اِغناء کے قبیل سے بنادیا ہے۔

② بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہوسکتا ہے؟)۔ دیکھیے! یہاں «مَنْ» اسمِ موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہے، اور اِس کی خبر «كَمَنْ لَيْس كذٰلك» کو تحقیراً حذف کردیا ہے؛ أيْ: كَمَنْ «أقسىٰ» قَلبَه وجَعَل صدْرَه ضَيِّقا حَرَجا، أوْ: كَمَنْ لَيْس كذٰلك.

③ اصل میں تھا «وَرَسُوْلُهُ أَيْضاً بَرِيْءٌ مِنهُمْ»، اِس مثال میں دوسرے «بَرِيْءٌ» کو حذف کردیا گیا ہے؛ کیوں کہ پہلا «بَرِيْءٌ» دوسرے کے حذف پر دلالت کررہا ہے۔ (جواہر)

لَيَخْرُجُنَّ قُل لَّا تُقْسِمُوا! «طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ» ﴾(١) [النور:٥٣].

# فصلِ خامس: حذفِ مفعول بہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: فعلِ متعدی کے مفعول کا ہونا ضروری ہے جس پر فعل واقع ہوا ہو؛ اِس مفعول کو حذف کرنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا حال نے تقاضا کیا ہو۔

حذفِ مفعول بہ کے دواعی مندرجۂ ذیل ہیں:

المحَافَظَة عَلى سَجْع، تَعْمِيْمٌ مَعَ الاخْتِصَار، تَنْزِيْل الفِعْل المتَعَدِّي مَنْزِلَة اللاَّزِم، طَلَبًا للاخْتِصَار، الإيْضَاح بَعْدَ الإبْهَام، لتَقَدّم ذِكْرِه.

① **المحافظة على سجع:** سجع کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝﴾(٢) [الضحیٰ]، أي: «وَمَا قَلاكَ».

② **تعميم مع الاختصار:** اختصار کے ساتھ ساتھ عمومیت پیدا کرنے

---

(١) یہاں دو تقدیریں نکل سکتی ہیں: حذفِ مسندالیہ کی صورت میں: «أمْرُكم طَاعَة مَعْرُوْفة لايُشَكّ فيه ولا يرتاب»؛ حذفِ مسند کی صورت میں: «طاعَة مَعْرُوْفة أوْلىٰ بكُم مِن هٰذه الأيْمَان الكاذبة». (علم المعانی)

(٢) (اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اُس کا اندھیرا چھا جائے کہ: تمہارے پروردگار نے تمھیں نہ چھوڑا ہے اور نہ (تم سے) ناراض ہوا ہے۔ یہاں (وما قلاك) کے بہ جائے فواصل کی رعایت میں ﴿وَمَا قَلَىٰ﴾ فرمایا ہے؛ کیوں کہ ہر آیت کے اخیر میں الف آرہا ہے، اور یہ سجع مفعول کو ذکر کرنے سے باقی نہ رہے گا۔

کے لیے، جیسے: ﴿وَٱللَّهُ يَدۡعُوٓاْ إِلَىٰ دَارِ ٱلسَّلَٰمِ﴾ (۱) [یونس: ۲۵].

③ **تنزيل الفعل المتعدي منزلة اللازم:** مفعول سے خاص غرض وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے فعل متعدی کے ساتھ، فعلِ لازم کا سا معاملہ کرنا، جیسے: ﴿هَلۡ يَسۡتَوِي ٱلَّذِينَ يَعۡلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَۗ﴾ [الزمر: ۹]

④ **طلباً للاختصار:** جب کوئی قرینہ مفعول بہ پر واضح طور پر دلالت کرے تو اُس وقت مفعول بہ کو اختصاراً حذف کر دیا جاتا ہے، اور ایسے مواقع پر مفعول کو ذکر کرنا عبث شمار ہوتا ہے، جیسے: ﴿رَبِّيَ ٱلَّذِي يُحۡيِۦ وَيُمِيتُ﴾ (۲) [البقرۃ: ۲۵۸].

⑤ **الإيضاح بعد الإبهام:** سامع کے دل پر اچھا اثر چھوڑنے کے لیے اِبہام کے بعد وضاحت کرنا، جیسے: ﴿وَلَوۡ شَآءَ لَهَدَىٰكُمۡ أَجۡمَعِينَ۝٩﴾ (۳) [النحل]

⑥ **لتَقدُّمِ ذِكرِه:** بعد والے فعل کے مفعول بہ کا تذکرہ پہلے آچکا ہو، جیسے: ﴿يَمۡحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُۖ﴾ (۴) [الرعد: ۳۹].

---

(۱) یہاں مفعول کو عمومیت کا فائدہ دینے کے لیے حذف کر دیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے لیے خاص ہو، ایسا نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہر زمان ومکان میں اپنے تمام بندوں کے لیے عام ہے۔ (علم المعانی)

(۲) دیکھیے! یہاں اللہ کی وہ کروڑوں مخلوقات ہیں جن کو وہ مارتے اور جلاتے ہیں، اور یہ مخلوقات حدّ اِحصاء سے بھی باہر ہے؛ لہٰذا مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

(۳) أيْ: لوْ شاء هدَايَتَكُم لهَدَاكُم أجْمَعِيْن: یہاں ﴿لَوۡ شَآءَ﴾ "اگر اللہ پاک چاہتے" جب یہ کہا گیا تو سامع کے دماغ میں سوال ہوگا کہ: ﴿شَآءَ﴾ کا مفعول کون ہے؟ پھر ﴿لَهَدَىٰكُمۡ﴾ کے قرینے سے مفعول کا علم ہوا، یہاں مفعول چوں کہ ابہام کے بعد واضح ہوا ہے؛ لہٰذا وہ اَوقع فی النفس ہوگا اور دل میں اچھا اثر چھوڑے گا۔ (علم المعانی)

(۴) أي يُثْبِت ما يَشَاء.

# بابِ خامس: در اِطلاق وتقیید

**اِطلاق:** قیودات کو چھوڑ کر کلام کو مطلق رکھنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے:

① مخصوص مخاطب کے علاوہ دیگر حاضرین، فعل کے زمانے، مکان یا محلِ وقوع وغیرہ پر مطلع نہ ہوجائیں ② متکلم کو قیودات کا علم ہی نہ ہو ③ سامع کو اِس مطلق حکم سے ہر طرح کی چھوٹ اور مکمل گنجائش ملے؛ تاکہ وہ ہر ممکن مطلب کو مراد لے سکے، جیسے: ﴿رَبِّيَ ٱلَّذِي يُحۡيِۦ وَيُمِيتُ﴾[1] [البقرة:۲۰۸]

## تقیید

**تقیید:** کلام میں رُکنین کے علاوہ مسند الیہ کے متعلق کسی قید کو، یا مسند کے متعلق قید کو، یا دونوں ہی سے متعلق کسی قید کو ذکر کرنا ''تقیید'' کہلاتا ہے؛ اور اُس کلام کو ''مقید'' کہا جاتا ہے۔

کلام کو قیودات سے مقید کرنے کی بنیادی غرضیں دو ہیں:

① قید کے ذکر نہ کرنے پر فائدۂ مقصودہ کا فوت ہوجانا، جیسے: ﴿جَعَلَ ٱللَّهُ ٱلۡكَعۡبَةَ «ٱلۡبَيۡتَ ٱلۡحَرَامَ» قِيَٰمٗا لِّلنَّاسِ﴾[2] [المائدة: ۹۷].

---

① یعنی میرا پروردگار تو وہ ہے جو ہر زمانے، ہر مکان میں، ہر فرد کو، ہر حال میں زندہ کرنے اور مارنے پر مطلق قادر ہے۔ دیکھیے! یہاں رب کی صفت ''اِحیاء واِماتت'' کو مطلق رکھا ہے۔ (علم المعانی)

② دیکھیے! آیت میں کعبہ شریف کی عظمت وحرمت بیان کرنا مقصود ہے؛ لہٰذا ﴿ٱلۡبَيۡتَ ٱلۡحَرَامَ﴾ بدل کو ذکر نہ کرنا، فائدۂ مقصودہ کو فوت کرنا ہوگا۔

② قید ذکر نہ کرنے سے کلام جھوٹا ہوجائے، جیسے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا «لَـٰعِبِينَ» ﴿١٦﴾﴾[1] [الأنبياء]

تقییدِ کلام کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر ایک کی اغراض بھی الگ الگ ہیں[2]۔

علمِ بلاغت میں تین ادواتِ شرط سے بحث کی جاتی ہے: إنْ، إذَا، لَوْ؛ کیوں کہ اِن تین میں ایسی زائد خوبیاں ہیں جو بلاغتی اسلوب سے متعلق ہیں[3]۔

**إنْ:** اداتِ شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور عدمِ جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾[4] [الزمر:٦٠]

---

① اِس آیت میں ﴿لَـٰعِبِينَ﴾ حال کو ذکر نہ کرنے پر کلام جھوٹا ہوجائے گا، کہ آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو-العیاذ باللہ- ہم نے پیدا نہیں کیا!۔

② جنھیں علمِ نحو میں تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً: أدَوَات الشَّرْط (إنْ إذَا، لَوْ)، أدَوَاتُ النَّفْي (مَا، لا، لَنْ، لَمْ، لَمَّا)، نَوَاسِخ الجمْلَة (الأفْعَال النَاقِصَة، المُقَارَبَة، حُرُوْف المشَبَّهَة بالفِعْل)، المفَاعِيْل الخَمْسَة، الحَالُ، التَّمْيِيْز، المسْتَثْنىٰ؛ التَّوَابِع (النَّعْت، التَّأْكِيْد، البَدَل، العَطْف بالحُرُوْف، العَطْفُ بِالبَيَان).

③ اِن میں عدمِ جزم بوقوع الشرط کا معنیٰ ہے، یعنی شرط کے بعض اِمکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع یقینی نہیں (یعنی ایسے احوال ہوتے ہیں جو شاذ ونادر پائے جاتے ہیں)، جب کہ اِذا میں جزم بوقوع الشرط کا معنیٰ ہے، یعنی: شرط کے بعض اِمکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع بالکل یقینی ہے۔

| إنْ | اَداتِ شرط برائے زمان | برائے مستقبل | عدمِ جزم بوقوعِ شرط |
|---|---|---|---|
| إذَا | اَداتِ شرط برائے زمان | برائے مستقبل | جزم بوقوعِ شرط |
| لَوْ | اَداتِ شرط برائے زمان | برائے ماضی | استحالۂ وقوعِ شرط |

④ اگر بالفرض تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمھارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا؛ یہاں اِن کو ذکر فرما کر حضراتِ انبیاء سے وقوعِ شرط (شرک) کی نُدرت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

**إذا:** اداتِ شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: ﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا: لَنَا هَذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ﴾ [1] [الأعراف:۱۳۱]

**لو:** زمانۂ ماضی میں شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے جزا کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا لَوْ کے بعد دونوں جملوں کا فعلِ ماضی ہونا لازم ہے، نیز استحالۂ وقوعِ شرط کا معنیٰ بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾ [الأنبياء:۲۲] ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾﴾ [2] [الأنعام]

ملحوظہ: بقیہ ادواتِ تقیید اور اُس کی تفصیل "اجرائے بلاغت" میں ملاحظہ فرمالیں۔

---

(۱) دیکھیے! خوشحالی کا آنا قطعی ہوتا ہے، لہٰذا اِس کو ﴿إِذَا﴾ اور ﴿جَاءَتْ﴾ فعلِ ماضی سے تعبیر کیا، اور ﴿الْحَسَنَةُ﴾ میں الف لام جنسی لاکر تمام انواعِ حسنہ کو شامل کرلیا گیا۔ اور مصیبت پڑنا غیر یقینی ہوتا ہے، لہٰذا اِس کو ﴿إِن﴾ اور ﴿تُصِبْ﴾ فعل مضارع سے - جو کہ عدمِ تحقق پر دلالت کرتا ہے - تعبیر کیا، اور ﴿سَيِّئَةٌ﴾ کو نکرہ لاکر تقلیل کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔

(۲) اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔ یہاں شرط (تعدُّد اِلٰہ) کے منتفی ہونے سے فسادِ نظام کائنات بھی منتفی ہے۔ (علم المعانی)؛ اِسی طرح آیتِ ثانیہ: یعنی شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کردیتا ہے؛ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے؟ اگر بہ غرضِ محال انبیاء ومقربین سے - معاذ اللہ - ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کِیا دَھرا اَکارت ہوجائے۔

# بابِ سادس: در قصر

**قصر:** ایک چیز (مقصور) کو اداتِ قصر کے ذریعے دوسری چیز (مقصور علیہ) کے ساتھ مخصوص ومنحصر کر دینا، اور یہ بتانا کہ یہ مقصور اپنے مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف متجاوز نہیں۔

قصر کے ارکان دو ہیں: مقصور، مقصور علیہ۔ **مقصور:** وہ چیز ہے جس کو خاص کیا جائے۔ **مقصور علیہ:** وہ چیز ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو مخصوص کیا جائے۔

**طریقِ قصر:** وہ مخصوص طریقہ جس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کیا جائے، جیسے: ﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾[1] [آل عمران:٦٤]

## طُرُقِ قصر

قصر کے معروف طریقے[2] چار ہیں: ① النَّفْيُ والاسْتِثْنَاء ② إنَّمَا

① دیکھیے! یہاں ﴿نَعْبُدَ﴾ میں عبادت مقصور، ﴿ٱللَّهَ﴾ مقصور علیہ، اور ﴿لا-إلاَّ﴾ طریقِ قصر ہے۔ (علم المعانی)

② بابِ قصر کے معروف طریقے چار ہیں؛ ورنہ غیر معروف طریقے یہ بھی ہیں: ① لفظ «وَحْدَهُ» جیسے: هَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ ② لفظ «فَقَطْ»، جیسے: رَأَيْتُ عَمْروًا فَقَطْ ③ لفظ لاغَيْرَ، جیسے: عِنْدِيْ عَشْرَةُ دَنَانِيْرَ لاغَيْرَ ④ لفظ لَيْسَ غَيْرُ، جیسے: لِزَيْدٍ اِبْنٌ لَيْسَ غَيْرُ ⑤ مادۂ اختصاص، جیسے: نَخُصُّ مِنْهُمْ بِكَذَا ⑥ ضمیرِ فصل، جیسے: ﴿فَاللهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ ⑦ مادۂ قصر، جیسے: قَصُرْتُ عَمَلِيْ فِيْ الحَدِيْقَةِ عَلَى رَيِّ الأَزْهَارِ ⑧ جملے کے دونوں اجزا کو معرفہ لانا، جیسے: المُنْطَلِقُ زَيْدٌ. (جواہر البلاغت بتغیر یسیر)

③ العَطْف بِلاَ وَبَلْ وَلٰكِنْ ④ تَقْدِيْم مَا حَقُّه التَّأخِيْر.

① نفی واستثنا: چاہے حرفِ نفی "ما، لا" ہو یا اِن کے علاوہ کوئی اَور حرفِ نفی، جیسے: ﴿وَمَن يَغۡفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ﴾[1] [آل عمران: ۱۳۵]

**ملحوظہ:** اِس طریقِ قصر میں استثناء کا ماقبل مقصور اور مابعد مقصور علیہ ہوتا ہے۔

② إِنَّمَا جیسے: ﴿قُلۡ إِنَّمَا ٱلۡعِلۡمُ عِندَ ٱللَّهِ، وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٞ مُّبِينٞ ۝٢٦﴾[2] [الملك]

**ملحوظہ:** اِس صورت میں مقصور پہلے اور مقصور علیہ بعد میں ہوتا ہے[3]۔

③ عطف بہ: لاَ وَ بَلْ وَلٰكِنْ.

---

① اللہ کے سوا کون گناہوں کو مُعاف کرنے والا ہے!۔ یہاں غفرانِ ذنوب (صفت) کو صرف اللہ کی ذات (موصوف) میں منحصر کیا ہے، اور ﴿مَن - إِلَّا﴾ اداتِ قصر ہے۔

② دیکھیے! یہاں صفتِ علم (مقصور) کو باری تعالیٰ (مقصور علیہ) پر منحصر کیا ہے؛ اور یہ مثال قصرِ صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

③ فائدہ: إِنَّمَا کی کچھ خصوصیات مندرجۂ ذیل ہیں:

۱- إِنَّمَا میں مقصور علیہ ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے، اِس کو مقدم کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٞ مِّثۡلُكُمۡ﴾ [الکھف:۱۱۰]، مَیں تو تمھارے جیسا ایک انسان ہی ہوں۔

۲- مواقعِ تعریض میں إِنَّمَا کا استعمال مستحسن ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْ﴾ [فاطر:۲۸]

۳- إِنَّمَا میں بہ یک وقت مقصور علیہ کے لیے حکم کا اثبات اور ماعدا سے حکم کی نفی ہوتی ہے؛ جب کہ نفی واستثناء میں نفی و اِثبات دونوں الگ الگ عبارت سے مفہوم ہوتے ہیں۔

۴- إِنَّمَا میں اِنکارِ شدید نہیں ہوتا، جب کہ نفی واستثناء میں انکارِ شدید کی وجہ سے حکم میں تاکید ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ ءَايَةٞ مِّن رَّبِّهِۦٓۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٞۖ﴾ [الرعد:۷]

۱- **لا** کے ذریعہ عطف کرنا، جیسے: أَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ[1]، ۲-**بَلْ** کی مثال، جیسے: أَنَا نَاظِمٌ بَلْ نَاثِرٌ[2]، ۳-**لٰکِنْ** کی مثال، جیسے: أَنَا نَاظِمٌ لٰکِنْ نَاثِرٌ؛ مَا أَنَا طَامِعٌ لٰکِنْ قَانِعٌ[3].

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ، وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾[4][الأحزاب: ٤٠]

④ مؤخر کو مقدّم کرنا، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۝﴾[5] [الفاتحة]، أي: نَخُصُّ إِيَّاكَ بِالعِبَادَة لاغَيْرَك.

---

① اِس صورت میں لا کے ماقبل کو ''مقصورعلیہ''، اور لا کے مابعد ''ناظم'' کو ''مقصورعلیہ کا مُقابل'' کہتے ہیں؛ ترجمہ: مَیں (مقصور) ناثر ہی ہوں (مقصورعلیہ)؛ ناظم نہیں! (مقابل)۔

② یہاں أَنَا مقصور، ناثرٌ مقصورعلیہ ہے، اور نَاظِمٌ اس کا مقابل ہے۔

③ یہاں لٰکِنْ کا مابعد مقصورعلیہ اور اُن کا ماقبل اُس مقصورعلیہ کا مقابل ہوگا۔

④ اِس آیت میں ''محمد'' مقصور ہے، ''رسول اللہ'' مقصورعلیہ اور ''لکن'' اداتِ قصر ہے؛ یعنی: آیت میں آپ ﷺ کے روحانی باپ ہونے ہی کو ثابت کیا ہے، اور آپ ﷺ کے نسبی باپ ہونے کی نفی کی ہے۔

⑤ یہاں عبادت واستعانت کو اللہ وحدہ لایزال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غیر اللہ سے اُن کی نفی کی ہے۔

ملحوظہ: جملہ اسمیہ کی ترتیب: پہلے مبتدا پھر خبر؛ جملہ فعلیہ کے اجزاء کی ترتیب: فعل، فاعل، مفعول بہ، مطلق، فیہ، لہ، حال، تمیز پھر مستثنیٰ ہوگا؛ یہ ترتیبِ واقعی ہے، اِس کے خلاف ترتیب ہو تو اُسے تقدیم ماحقُّہ التاخیر کہتے ہیں۔ نیز تقدیم ماحقُّہ التاخیر میں مقدم مقصورعلیہ ہوگا اور مؤخر مقصور۔

# اقسامِ قصر بہ اعتبارِ حقیقت وواقعیت اور اضافت

قصر کی حقیقتِ حال (صورتِ واقعہ) اور دوسری شے کی طرف نسبت واضافت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: ① قصرِ حقیقی ② قصرِ اضافی۔

① **قصرِ حقیقی:** وہ قصر ہے جس میں مقصور کا مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف بالکل متجاوز نہ ہونا بیان کیا جائے؛ جیسے: ﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾ (١) [الأنعام:٥٩].

---

(١) اِس آیت میں قصر کے دو طریقے ہیں: ﴿وَعِندَهُۥ﴾ خبر کی تقدیم، تقدیم ماحقہ التاخیر کے قبیل سے ہے، اور ﴿لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾ میں نفی واستثناء ہے؛ اور مطلب یہ کہ: مفاتحِ غیب حقیقتاً اللہ کے پاس ہی ہیں، غیر اللہ کے پاس نہیں۔ نیز اُن کا علم واقعتاً اللہ پر منحصر ہے، غیر اللہ کو اِس کا علم نہیں۔ قصر کی یہ تکرار مضمون کی تاکید وپختگی کے لیے ہے۔ (علم المعانی)

قصرِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں: ① قصرِ حقیقی تحقیقی ② قصرِ حقیقی ادّعائی۔

١- **قصرِ حقیقی تحقیقی:** وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا حقیقت وواقعیّت کے اعتبار سے ہو؛ اِس طور پر کہ شئِ اول (مقصور) شئِ ثانی (مقصور علیہ) ہی میں پائی جاتی ہو، کسی دوسری چیز میں نہیں، جیسے: ﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾ [الأنعام:٥٩]

٢- **قصر حقیقی اِدّعائی:** وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا مبالغۃً اور اِدّعاءً ہو، اور یہ بتایا جائے کہ: یہ مقصور، مقصور علیہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے، مگر مقصور علیہ میں کمال درجہ ہے اور بقیہ میں کالعدم ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر:٢٨]؛ وقولُهُ: عَلَيْهِ السَّلامُ: «لاحَسَدَ إلا في اثْنَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِيْ الحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيَعْلَمُهَا». [بخاري في العلم].

قصرِ حقیقی تحقیقی واِدّعائی دونوں کی مثال: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝٤﴾ [الفاتحة]

## قصرِ اضافی اور اُس کی اقسام

② **قصرِ اضافی:** وہ قصر ہے جس میں مخاطب کی حالت کو دیکھتے ہوئے قصر ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ ۚ﴾(۱) [آل عمران: ۱۴۴]

ملاحظہ: قصرِ اضافی کی تین قسمیں ہیں: قصرِ افراد، قصرِ تعیین، قصرِ قلب۔ تفصیل کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔

## اقسامِ قصر بہ اعتبارِ طرفین

قصرِ حقیقی واضافی میں طرفین (مقصور ومقصور علیہ) میں سے کوئی ایک موصوف ہوگا اور دوسرا صفت؛ لہٰذا قصرِ حقیقی واضافی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوگی: قصرِ موصوف برصفت، قصرِ صفت برموصوف(۲)۔

---

① حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدتِ محبت وتعلق کی بنیاد پر یہ گمان ہوگیا تھا کہ: آپ وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ خلود سے بھی متصف ہیں کہ اُن پر موت طاری نہیں ہوسکتی، تو اللہ پاک نے اِس آیت میں آپ کی ذات کو وصفِ رسالت میں منحصر کیا اور وصفِ خلود کی آپ سے نفی فرمائی، کہ آپ نِرے رسول ہی تو ہے، خدا تو نہیں، اور اِس وقت نہ سہی! اگر کسی وقت آپ کی وفات ہوگئی یا آپ شہید کردیے گئے تو کیا تم دین کی خدمت وحفاظت کے راستہ سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤگے!۔ یہ قصر اضافی ہے، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ: آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت میں اِس وصف کے علاوہ دوسرا کوئی وصف نہ تھا۔

(علم المعانی، فوائد عثمانی)

② اِن کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ: اگر مقصور صفت ہو تو وہ ''قصرِ صفت برموصوف'' ہے، اور اگر مقصور=

① **قصرِ موصوف بر صفت :** وہ قصر ہے جس میں کسی موصوف کو ایک ہی صفت کے ساتھ خاص کیا گیا ہو، اور یہ بتایا ہو کہ: اِس موصوف میں صرف یہی ایک صفت پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾﴾ [1] [الفاطر].

=صفت نہ ہوتو وہ "قصرِ موصوف برصفت" ہے۔

## قصر کی تفصیلی چار قسمیں

(١) قصرِ موصوف برصفتِ حقیقی: یعنی موصوف اُسی ایک صفت کے ساتھ خاص ہو، اُس میں اُس ایک صفت کے علاوہ کوئی دوسری صفت نہ پائی جاتی ہو، جیسے: مَا سَاجِدٌ إِلاَّ قَارِیءٌ، ساجد قاری ہی ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ مثال فرضی ہے؛ اِس لیے کہ ایسی مثال ملنا مشکل ہے جس کے موصوف میں بہ اعتبارِ حقیقت کے صرف ایک ہی صفت ہو، دوسری کوئی بھی صفت پائی نہ جاتی ہو، جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے؛ جیسے مثالِ مذکور میں ساجد کا قاری ہونے کے ساتھ آکل، متکلم، ماشی، حی، اَسود یا اَبیض، طویل یا قصیر، ذکی یا غبی وغیرہ ہونا امرِ بدیہی ہے۔

(٢) قصرِ صفت برموصوفِ حقیقی: یعنی وہ صفت اُسی ایک موصوف کے ساتھ خاص ہو، اُس کے علاوہ کسی اَور موصوف میں نہ پائی جاتی ہو، ہاں! اُس موصوف میں اُس صفت کے علاوہ دیگر صفات پائی جاسکتی ہوں، جیسے: لا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ إِلاَّ اللهُ، معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(٣) قصرِ موصوف برصفتِ اضافی: موصوف کو ایک صفت کے ساتھ کسی معین صفت کو مدّنظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اُس موصوف میں اُس دوسری صفت کے علاوہ اَور صفات پائی جاتی ہوں یا نہ پائی جاتی ہوں، جیسے: مَا زَیْدٌ إِلاَّ قَائِمٌ، زید کھڑا ہی ہے (بیٹھا نہیں ہے)۔

(٤) قصرِ صفت برموصوفِ اضافی: صفت کو ایک موصوف کے ساتھ کسی معین موصوف کو مدّنظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اُس معین موصوف کے علاوہ دیگر موصوفوں میں وہ صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، جیسے: مَا أَمِیْنٌ إِلاَّ یُوْسُفَ، امانت دار یوسف ہی ہے (ابراہیم نہیں ہے)۔

① یہاں موصوف رسول کو صفتِ انذار کے ساتھ خاص کرلیا ہے، کہ آپ صرف ڈر سنانے والے ہیں، مشرکین معاندین کے دِلوں کو عناد وسرکشی سے ایمان کی طرف پھیرنا آپ کے بس میں نہیں!۔ =

**② قصرِ صفت بر موصوف:** وہ قصر ہے جس میں کسی صفت کو ایک موصوف ہی سے خاص کرنا، اور یہ بتانا مقصود ہو کہ: یہ صفت صرف اِسی موصوف میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحة]؛ ﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾(1) [الأنعام: ٥٩].

---

= ملحوظہ: قصر کے باب میں موصوف وصفت سے وہ اصطلاحی موصوف وصفت مراد نہیں ہیں جو مرکبِ توصیفی میں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اصطلاحی موصوف صفت کے درمیان قصر متصور نہیں؛ بلکہ یہاں موصوف سے اسمِ ذات اور صفت سے صفتِ معنوی (یعنی: وہ معنیٰ جو قائم بالغیر ہو وہ) مراد ہے؛ چاہے وہ فعل ہو یا مصدر، اسی طرح اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، ظرف، جار مجرور، اسمِ منسوب یا صفتِ مشبہ میں سے ہو۔ (علم المعانی)

(1) آیتِ اولیٰ: یہاں عبادت واستعانت کو اللہ وحدہ لا یزال کے ساتھ مخصوص کرنا قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ آیتِ ثانیہ: میں «مَفَاتِحُ الغَيْبِ» کے علم کو ذاتِ باری پر منحصر کرنا قصرِ حقیقی، قصرِ صفت علی موصوف ہے۔

# بابِ سابع: در وصل وفصل

**وصل:** کلام کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے جوڑنے اور حکمِ ماقبل میں شریک کرنے (یعنی: عطف کرنے) کو ''وصل'' کہتے ہیں، چاہے یہ جوڑنا اور شریک کرنا مفردات میں ہو یا جملوں میں ہو؛ نیز چاہے وہ جوڑنا واؤ کے ذریعے ہو یا دیگر حروفِ عاطفہ کے ذریعے، جیسے: ﴿إِنَّ ٱلۡأَبۡرَارَ لَفِي نَعِيمٖ ۝١٣ وَإِنَّ ٱلۡفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٖ ۝١٤﴾[١] [الانفطار].

**فصل:** دو جملوں کے درمیان عطف کو چھوڑ دینا، جیسے: ﴿وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٞ لَّهُمۡۗ﴾[٢] [التوبة:١٠٣].

ملاحظہ: مقامِ وصل میں دو جملوں کے درمیان من وجہٍ مناسَبت اور من وجہٍ مغایرت کا ہونا ضروری ہے؛ لٰہذا جہاں دو جملوں میں مِن کل الوجوہ مناسَبت ہو تو وہ دو جملے دو نہ رہے؛ بلکہ ایک ہوگئے؛ لٰہذا وصل کی کوئی ضرورت نہ رہی، اور جہاں مِن کل الوجوہ مغایرت ہی ہو تو اُن کے درمیان وصل بالواو کرنا، گوہ اور مچھلی کو جمع کرنے جیسا ہوگا!۔

---

① یعنی: دونوں جملے خبر یا انشا میں متحد ہیں، اور عطف سے مانع کوئی بھی چیز نہیں؛ نیز دونوں باری تعالی کے اَقوال (وعدہ ووعید) ہیں، اور حرفِ تاکید سے مقید ہیں۔

② یہاں دونوں جملوں ﴿صَلِّ - إِنَّ صَلَوٰتَكَ﴾ میں کمالِ انقطاع (تبایُنِ تام) ہے؛ کیوں کہ پہلا جملہ انشائیہ ہے، اور دوسرا خبریہ ہے؛ لٰہذا فصل کیا گیا ہے۔

# مواضعِ وصل وفصل مع اصطلاحات

بُلغا کی تصریح کے مطابق دو جگہوں پر وصل کرنا واجب ہے اور پانچ جگہوں پر فصل کرنا واجب ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

① **کمال اتصال:** دو جملوں کے درمیان کمالِ اتصال (یعنی: اتحادِ تام) ہو، اِس طور پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کا (معنوی طور پر) بیان، تاکید یا بدل واقع ہو، جیسے: ﴿فَـ «مَهِّلِ ٱلْكَـٰفِرِينَ»، «أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًۢا»﴿١٧﴾﴾ [الطارق]؛ ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَـٰنُ «قَالَ يَـٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلْخُلْدِ»﴾ [طٰہٰ:۱۲۰]؛ ﴿أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ﴿١٣٢﴾ «أَمَدَّكُم بِأَنْعَـٰمٍ وَبَنِينَ»﴿١٣٣﴾﴾ (1) [الشعراء].

حکم: کمالِ اتصال میں دونوں جملوں کے درمیان مِن کل الوجوہ مناسَبت پائی جاتی ہے؛ لہٰذا فصل کرنا واجب ہے۔

---

(1) آیتِ اولیٰ: تم کافروں کو مہلت دو، پس چند روز ہی مہلت دو۔ اِس میں جملۂ ثانیہ «اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا» جملۂ اُولیٰ «مَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ» کے لیے تاکید ہے۔

آیتِ ثانیہ: پھر شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمھیں ایسا درخت بتاؤں جس سے جاوِدانی زندگی اور وہ بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی ہے۔ یہاں دوسرا جملہ ﴿قَالَ يَـٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ﴾ پہلے جملے ﴿فَوَسْوَسَ﴾ کا بیان ہے۔

آیتِ ثالثہ: اور اُس ذات سے ڈرو جس نے اِن چیزوں سے نواز کر تمھاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو، اُس نے تمھیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے۔ دیکھیے! مویشیوں اور اَولاد سے نوازنا نوازشاتِ الٰہی کا ایک حصہ ہے، اِس میں جملہ ثانیہ: «اَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ» جملۂ اولیٰ «اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ» کا بدلِ بعض ہے۔

② **کمال انقطاع:** ۱- دو جملوں کے درمیان تباینِ تام ہو، (یعنی: دونوں جملے خبر وانشا میں لفظاً ومعنیً یا معنیً مختلف ہوں)؛ ۲- یا دونوں جملوں کے درمیان معنوی مناسبت نہ ہو۔ شقِ اول کی مثال: ﴿«لَا تَسْتَوِي ٱلْحَسَنَةُ وَلَا ٱلسَّيِّئَةُ»، «ٱدْفَعْ بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ»﴾[1] [حٰمٓ السجدة: ٣٤]؛ شقِ ثانی کی مثال: ﴿«وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ...»۝٣ وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ...۝٤ أُو۟لَـٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى...۝٥ «إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟...»۝٦﴾[2] [البقرة]

حکم: کمالِ انقطاع میں دونوں جملوں کے درمیان مِن کل الوجوہ مغایرت ہوتی ہے؛ لہٰذا فصل کرنا واجب ہے۔

ہاں! جب فصل کرنا خلافِ مقصودِ متکلم کا وہم پیدا کرے تو وصل کرنا ضروری

---

① شقِ اوّل کی مثال میں جملۂ ثانیہ واولیٰ میں تباینِ تام ہے؛ اس لیے کہ جملۂ اولیٰ جملہ خبریہ ہے اور جملۂ ثانیہ انشائیہ ہے۔ اسی طرح قَالَ أبوحَنيْفَة -رَحِمَهُ اللهُ-: النِّيَّةُ فِيْ الوُضوْء لَيْستْ بشِرْط؛ اِس مثال میں «رَحمَه اللهُ» معنیً انشاء ہے، اور «قَالَ أبوْحنيْفة» جملۂ خبریہ ہے۔

② دوسری شق کی مثال: دیکھیے! یہاں ﴿وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ﴾ اور ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟﴾ کے درمیان معنوی کوئی ایسی مناسبتِ خاصہ نہیں ہے جس کی وجہ سے وصل کیا جا سکے؛ لہٰذا فصل کیا گیا ہے، ہاں! دونوں آیتوں میں مناسبتِ عامہ (ایمان وکفر کا آپس میں ضد ہونا) ضرور ہے۔

ملحوظہ: کمالِ انقطاع کا تذکرہ فصل ووصل دونوں جگہ آتا ہے؛ اگر دو جملوں کے خبر وانشا میں مختلف ہونے کے باوجود اُن میں فصل کرنا خلافِ مقصود کا وہم دِلائے تو وصل واجب ہوگا، جیسے: «لا! وَشَفَاهُ اللهُ» اُس شخص کے سامنے کہنا جو سوال کرے: هَلْ بَرِيءَ زَيْدٌ مِنَ المَرَضِ؟۔

اور اگر فصل کرنا خلافِ مقصود کا وہم نہ دِلائے تو فصل واجب ہے، جیسے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ﴾ [التوبة:١٠٣].

ہوگا، اِسے ''کمالِ انقطاع مع ایہام'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے: أَتَبِيْعُ هٰذِهِ السِّلْعَةَ؟ فَيُجِيْبُكَ: لاَ! وَعَافَاكَ اللّٰهُ؛ أَيْ: لاأَبِيْعُهُ، وَعَافَاكَ اللّٰهُ(۱).

**③ شبہِ کمال اتصال:** دوسرا جملہ پہلے جملہ سے پیدا ہونے والے سوال مقدّر کا جواب ہو، یا پہلے جملے میں مذکور سوالِ مُصَرَّح کا جواب ہو؛ (اِس کا دوسرا نام ''اِستیناف بیانی'' بھی ہے)؛ پہلی صورت کی مثال: ﴿قَالَ يَٰنُوحُ! إِنَّهُۥ لَيۡسَ مِنۡ أَهۡلِكَۖ إِنَّهُۥ عَمَلٌ غَيۡرُ صَٰلِحٖۖ﴾ [هود]؛ دوسری صورت کی مثال: ﴿فَأُمُّهُۥ هَاوِيَةٞ۝٩ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا هِيَهۡ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةُۢ۝١١﴾(۲) [القارعة].

حکم: دونوں جملوں کے درمیان معنوی طور پر مناسبتِ تامّہ ہے؛ لہٰذا فصل واجب ہے۔

**④ شبہِ کمال انقطاع:** ایک جملے سے پہلے دو جملے مذکور ہوں اور تیسرے جملے کا عطف کرنا کسی ایک پر صحیح ہو دوسرے پر صحیح نہ ہو، ایسے موقع پر معنوی

---

① یہاں تاجر کا قول «عَافَاكَ الله» معنیً انشاء ہے اور «لا» یعنی: «لاأبيعه» لفظاً ومعنیً خبریہ ہے؛ لیکن ترکِ عطف یہ وہم پیدا کرے گا کہ: سامنے والا عدمِ عافیت کی بددعا کرتا ہے جو خلافِ مقصود ہے۔
(ملخص من علم المعانی)

② آیتِ اولیٰ: حضرت نوح علیہ السلام کنعان کی منافقانہ اَوضاع واطوار دیکھ کر غلط فہمی سے اُسے مؤمن سمجھ رہے تھے، اُس کی غرقابی کے بعد اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا یہ خلجان یا اشکال پیش کیا، یعنی: خداوند! تُونے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا، اور کنعان میرا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے گھر والوں میں سے ہے، پھر اِس واقعے کا راز کیا ہے؟ اللہ پاک نے جواب دیا: جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اُس میں یہ داخل نہیں؛ کیوں کہ اُس کے کرتوت بہت خراب ہیں۔ آیتِ ثانیہ: جس کی تولیں قیامت کے دن ہلکی ہوئیں اُس کا ٹھکانہ گڑھا ہے، اور تُو کیا سمجھا! وہ کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

فساد سے بچنے کے لیے تیسرے کا عطف نہ کیا جائے، یعنی: ایک جملے سے پہلے دو ایسے جملے ہوں جن میں سے ایک پر جملۂ ثالثہ کا عطف صحیح ہو، دوسرے پر معنوی فساد کی وجہ سے صحیح نہ ہو، جیسے: ﴿«إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ»، «قَالُوا: إِنَّا مَعَكُمْ، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ» ﴿١٤﴾ «اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ»﴾[1] [البقرة]

حکم: معنوی فساد سے بچنے کے لیے فصل کرنا واجب ہے۔

⑤ **تَوَسُّط بَین الکمالَین:** دونوں جملے خبر یا انشا میں متحد ہوں -چاہے دونوں لفظاً و معنیً ہر دو اعتبار سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں-، دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ (مناسَبتِ تامّہ) ہو، اِس کو "توسط بین الکمالین" کہتے ہیں۔

توسط بین الکمالین کی دو صورتیں ہیں:

اول: جہاں عطف سے مانع کوئی چیز نہ ہو تو وصل کرنا واجب ہے، جیسے:

---

(١) منافقین جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو (مسلمانوں) سے ہنسی کرتے ہیں (کہ وہ صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے، اور مالِ غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں، اور ہم اُن کی راز کی باتیں اُڑا لاتے ہیں)؛ (حقیقت یہ ہے کہ:) اللہ اُن سے ہنسی کرتا ہے، یعنی: اللہ اُن کے تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔

یہاں ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ﴾ کا جملۂ ﴿قَالُوا﴾ سے فصل کیا گیا ہے؛ کیوں کہ منافقین کا قول اپنے رئیسوں اور شیاطین کے پاس تنہا ہونے کی صورت میں ہے؛ جب کہ اللہ کا اُن منافقین کے تمسخر کا جواب دینا دائمی اور ہر آن ثابت ہے، وقتِ خلو سے مقید نہیں۔ (علم المعانی)

ہاں! اِس کا عطف ﴿إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ﴾ شرط وجوابِ شرط پر صحیح ہے؛ لیکن مذکورہ دو جملوں میں سے ایک پر عطف ہونے کا وہم وصل سے مانع ہے۔ (علم المعانی)

﴿إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝١٣ وَإِنَّ ٱلْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝١٤﴾ [الانفطار]؛ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ «لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ»، «وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ»، وَ«قُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْنًا»﴾[1] [البقرة:۸۳].

ثاني: جہاں عطف سے مانع (ماقبل کے حکم میں مابعد کو شریک نہ کرنا) پایا جائے، تو فصل کرنا واجب ہے، جیسے: ﴿وَإِذَا خَلَوْاْ إِلَىٰ شَيَٰطِينِهِمْ قَالُوٓاْ: إِنَّا مَعَكُمْ «إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ» ۝١٤ «ٱللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ»﴾ [البقرة].

## مواضعِ وصل وفصل اجمالاً

پانچ جگہوں میں فصل کرنا واجب ہے: کمالِ اتصال، کمالِ انقطاع بدونِ ایہام، شبہِ کمالِ اتصال، شبہِ کمالِ انقطاع اور توسط بین الکمالین عندالمانع؛ جب کہ دو جگہوں میں وصل کرنا واجب ہے: کمالِ انقطاع مع ایہام اور توسط بین الکمالین عندعدم المانع۔

---

(۱) آیتِ اولیٰ: بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے؛ یہ دونوں جملے لفظاً ومعنیً خبریہ ہیں۔ آیتِ ثانیہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروگے، اور والدین سے اچھا سلوک کروگے، اور رشتے داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔

یہاں اخیری دو جملے لفظاً ومعنیً انشائیہ ہیں؛ کیوں کہ ﴿وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ مصدر بہ معنیٰ امر ہونے کی وجہ سے «أَحْسِنُوا بالوَالِدَيْن» کے حکم میں ہے، اور پہلا جملہ ﴿لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾ لفظاً خبریہ ہے اور «لاتَعْبُدُوا إِلَّا اللهَ» کے معنیٰ میں ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہے۔ (علم المعاني)

# بابِ ثامن: در ایجاز، اطناب، مساوات[1]

## فصلِ اوّل: اِیجاز

**ایجاز:** بہت سارے معانی کو متعارَف عبارت سے کم عبارت میں ایسے الفاظ کے ذریعے تعبیر کرنا جو غرضِ متکلم کو پورے طور پر واضح کرتے ہوں، یعنی: معنیٰ مرادی کو متعارَف عبارت سے کم الفاظ میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ ١٩٩﴾[2] [الأعراف]

کلامِ عرب میں ایجاز کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ① ایجازِ قِصر

---

① انسان اپنے مافی ضمیر (معنیٰ مقصود) کے اظہار کے لیے الفاظ کا واسطہ لیتا ہے، اب اگر درمیانی طبقے والے لوگوں کے عرف کے مطابق اَلفاظ بہ قدرِ معانی ہوں، تو اِس کو "مساوات" کہتے ہیں، اور اگر عبارت میں الفاظ کم ہوں، معانی زیادہ ہوں تو اُسے "اِیجاز" کہتے ہیں، اور الفاظ زیادہ، معانی کم ہوں تو اُسے "اِطناب" کہتے ہیں۔

② (لوگوں سے یہ برتاؤ رکھیے کہ اُن کے اعمال واخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ (معقول ومناسب معلوم ہو اُن) کو قبول کرلیا کیجیے، (اُن کی تہ اور حقیقت کو تلاش نہ کیجیے)، اور (جو کام ظاہری نظر میں بھی بُرا ہو اُس میں یہ برتاؤ رکھیے کہ، اُس باب میں) نیک کام کی تعلیم کردیا کیجیے، اور (جو اِس تعلیم کے بعد بھی براہِ جہالت عمل نہ کرے یا نہ مانے، تو ایسے) جاہلوں سے کنارہ کش ہوجایا کیجیے۔

یہاں سرسری طور پر بین القوسین عبارات کو ملاحظہ فرماتے ہوئے آیتِ کریمہ کو دیکھیے ؛ نیز ﴿العَفْوُ﴾ اور ﴿العُرْف﴾ کے محامل کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں!

ایجاز کے دواعی پانچ ہیں: ① تسہیل الحفظ: مضمون کے محفوظ رکھنے کو آسان بنانا ② تقریب الفہم: مضمون کو ذہن سے نہایت قریب کرلینا ③ ضیق المقام: مقام میں تنگی ہونا ④ دفع السآمۃ: طویل گفتگو کرکے مخاطب کو اُکتاہٹ میں ڈالنے سے احتراز کرنا ⑤ الاخفاء: مخاطب کے علاوہ سے بات مخفی رکھنا۔

② ایجازِ حذف۔

① **ایجازقصر:** وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں بغیر کسی حذف کے نہایت مختصر عبارت میں بہت زیادہ معانی ومطالب کو سمیٹ لیا گیا ہو (یعنی: الفاظ کی بہ نسبت معانی زیادہ ہوں جیسا کہ جوامع الکلم، امثال اور کنایہ وغیرہ میں ہوتا ہے)، جیسے:

﴿ٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡغَيۡبِ﴾[البقرة:۳]﴿فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ﴾(۱)[البقرة:۱۷۹]

ملاحظہ: ایجازِ قِصَر کی انواع یہ ہیں: كَوْنُ الحَصْر فِي الكَلامِ، بَابُ العَطْف، بَابُ النَّائِبِ عَنِ الفَاعِلِ، بَابُ الضَّمِيْر، كَلِمَاتُ التَّثْنِيَةِ وَالجَمْعِ، أَدَوَاتُ الشَّرْط وَالاسْتِفْهَام، الأَدَوَاتُ الَّتِيْ تَدُلُّ عَلَى العُمُوْم، بَابُ التَّنَازُع، وحَذْفُ المفْعُوْل(۲).

---

① آیت اولیٰ: (یہ کتاب راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو) جو کہ بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس میں ﴿ٱلۡغَيۡبِ﴾ کا لفظ قبر وحشر، میزان وصراط، جنت وجہنم اور انبیاء وملائکہ وغیرہ بہت سی چیزوں کو شامل ہے؛ بلکہ عالمِ شہود کے علاوہ کی لامحدود چیزیں اس مختصر سے لفظ میں داخل ہیں۔

آیت ثانیہ: قصاص میں تمھارے لیے بڑی زندگی ہے، یعنی: قاتل سے قصاص لینے میں عمومی قتل وقتال سے حفاظت کا سامان ہے، یہ دنیوی فائدہ ہوا؛ اور قاتل کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے لیے قصاص میں اُخروی حیات بھی مضمر ہے۔اس معنی کی تعبیر کے لیے عربوں میں «القَتْلُ أَنْفى لِلْقَتْل» مستعمل تھا؛ لیکن آیتِ کریمہ اور اس جملے کی تعبیر میں فرق ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ ہو۔

② ۱- کلام میں حصر کا ہونا؛ چاہے وہ اداتِ حصر میں سے کسی بھی اَدات کے ذریعے ہو؛ اس لیے کہ اداتِ حصر کی بنا پر ایک جملہ دو جملوں کا نائب بن جاتا ہے۔

۲- بابِ عطف، اس لیے کہ حرفِ عطف کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ عامل کی تکرار سے مستغنی کردے۔

=

## اِیجازِ حذف

② **اِیجاز حذف:** وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں کسی جزوِکلمہ، کلمہ، ایک جملہ یا زائد از جملہ عبارت کو حذف کر کے مقصود کو بیان کیا گیا ہو، جیسے: ﴿وَسْئَلِ ٱلْقَرْيَةَ﴾(۱) [یوسف:۸۲].

حذف کے فوائد یہ ہیں: ① ایجاز واختصار ② احتراز عن العبث ③ اِس بات پر متنبہ کرنا کہ: اہلِ زمانہ محذوف کو لانے سے عاجز ہیں ④ محذوف کو ذکر کرنا

---

= ۳- بابِ نائب فاعل؛ اِس لیے کہ وہ حکمًا فاعل پر دلالت کرتا ہے، اور وضعًا مفعول پر۔

۴- بابِ ضمیر؛ اِس لیے کہ اِس کی وضع ہی اِس لیے کی گئی ہے کہ: وہ اسمِ ظاہر کو ذکر کرنے سے بے نیاز کردے۔

۵- الفاظِ تثنیہ وجمع، اس لیے کہ وہ مفرد کی تکرار سے مستغنی کر دیتے ہیں، اور الفاظِ تثنیہ وجمع میں جمع وتثنیہ پر دلالت کرنے والا حرف اختصاراً مستقل لفظ کا نائب ہو جاتا ہے۔

⑥ تمام تر اَدَواتِ استفہام، اس لیے کہ: كَمْ مَالُكَ، یہ حرفِ استفہام والا جملہ «مَالُكَ عِشْرُوْنَ أمْ ثَلاثُوْنَ» والے لمبے جملے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

⑦ تمام تر اَدَواتِ شرط، اس لیے کہ وہ بھی شرطیت کے ساتھ زمان ومکان پر، نیز اُن مخفی اَسرار پر دلالت کرتے ہیں جن کا ذکر ''اِطلاق، تقیید'' میں ہوا۔

⑧ تمام الفاظِ عموم جیسے: مَا، مَنْ، كُلٌّ وغیرہ۔

⑨ حذفِ مفعول بھی ایجازِ قصر کی انواع میں سے ہیں۔

⑩ بابِ تنازع بھی (امام فرّاء کی رائے مطابق) ایجازِ قصر کے قبیل سے ہے۔

(الزیادۃ والاحسان فی علوم القرآن بزیادۃ)

① أي: أهل القرية.

اصل مقصد کو فوت کرنے والا ہو۔ (الزیادۃ ملخصاً)

ایجازِ حذف کی اصالتًا چار صورتیں ہیں: حَذْفُ حَرْفٍ، حَذْفُ کَلِمَة، حَذْفُ جُمْلَة، حَذْفُ الأكْثَرِ مِنْ جُمْلَة[1].

## حذفِ کلمہ کی مختلف صورتیں:

حذفِ کلمہ کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً: حذفِ حروف، حذفِ مسند الیہ، حرفِ مسند، حذفِ متعلق فعل، حذفِ مضاف، حذفِ مضاف الیہ، حذفِ موصوف، حذفِ صفت، حذفِ قسم، حذفِ جواب قسم، حذفِ شرط، حذفِ جواب شرط، اور حذفِ معطوف وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں ان تمام محذوفات کی اَمثلہ بکثرت موجود ہیں۔ (علم المعانی)

---

(۱) حذف کی صورتیں: ① حذفِ حرف، جیسے: ایک قراءت کے مطابق باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَنَادَوْاْ يَـٰمَـٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف:۷۷].

② حذفِ کلمہ، جیسے: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَـٰذَا﴾ [يوسف:۲۹].

③ حذفِ جملہ، جیسے: ﴿وَإِذِ ٱسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ فَقُلْنَا ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْحَجَرَ فَٱنفَجَرَتْ مِنْهُ ٱثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ [البقرة: ٦٠]

ملحوظہ: حذفِ جملہ سے مراد وہ جملۂ تامہ ہے جو مستقل معنی کا فائدہ دے، اور دوسرے کلام کا جزو نہ ہو، اسی وجہ سے حذفِ معطوف، حذفِ جوابِ قسم وغیرہ معنی نہ دینے کی وجہ سے جزوِ کلام میں داخل ہیں۔ (علم المعانی)

④ حذفِ زائد از جملہ، جیسے: ﴿وَقَالَ ٱلَّذِى نَجَا مِنْهُمَا وَٱدَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا۠ أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِۦ فَأَرْسِلُونِ ۝٤٥﴾ [يوسف]، أي: إلى يُوسُفَ لاستعْبِره الرُّؤيا، فأرْسَلُوْه إلَيْه، فَأَتَاهُ، وَقَالَ لهُ: ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا ٱلصِّدِّيقُ﴾ [يوسف:٤٦]

# فصلِ ثانی: اِطناب

**اِطناب:** وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں تاکید وتقویت وغیرہ کے فوائد کے لیے الفاظ کو معانی سے زیادہ لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَ«ٱلرُّوحُ» فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝٤﴾[1] [القدر].

اطناب کی مختلف صورتیں ہیں:

ذِكْرُ الخَاص بَعْد العَامّ، ذِكْر العَامّ بَعْدَ الخَاصّ، التَّكْرِيْر لِغَرَض، تَكْثِيْر الجُمَل، الاعْتِرَاض، الاحْتِرَاس وَالتَّكْمِيْل، الإِيْغَال، التَّتْمِيْم، التَّوْشِيْع، التَّذْيِيْل.

① **ذکر الخاص بعد العام:** (عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا) خاص کا امتیاز اور فوقیت بتلانے کے لیے عمومی تذکرے کے بعد بطورِ خاص ذکر کرنا، جیسے: ﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ «وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ» وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ۝٢٣٨﴾[2]

[البقرة]

② **ذکر العام بعد الخاص:** (خاص کے بعد عام کو ذکر کرنا) خاص کی شان کو اہمیت دینے کے لیے مخصوص طریقے پر ذکر کرنے کے بعد لفظِ عام کے تحت ضمناً

① یہاں روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، اول بار ملائکہ کے عموم میں ضمناً، اور ثانیاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تکریم وتعظیم واضح کرتے ہوئے مستقلاً ذکر فرمایا۔ (علم المعانی)

② تم لوگ سب نمازیں خصوصاً درمیانی نماز یعنی نمازِ عصر اہتمام کے ساتھ ادا کرتے رہو؛ یہاں صلاۃِ وسطیٰ کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، پہلی مرتبہ صلوات کے ماتحت ضمناً، اور دوبارہ اُس کے امتیاز اور فوقیت کو بتانے کے لیے مستقلاً ذکر کیا۔

بیان کرنا، جیسے: ﴿رَبِّ ٱغۡفِرۡ لِي وَلِوَٰلِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيۡتِيَ مُؤۡمِنٗا «وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِۖ» ﴾[1] [نوح:۲۸]

③ **تکریر لغرضٍ:** کسی مخصوص غرض کی وجہ سے ایک لفظ یا جملے کا دو یا زیادہ مرتبہ اِعادہ کرنا، جیسے سامع کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ ۝٤﴾[2] [التکاثر]

تکریر کی مختلف اغراض ہوتی ہیں، مثلاً: برائے تقریر (اچھی طرح سمجھانا)، تذکیر (نعمتوں کو یاد دلانا)، تاکید (مضمون کی پختگی)، تعظیم وتہویل (عظمت و ہولناکی کا اظہار)، حث علی التدبر (مضمون کو سوچنے پر ابھارنا)، اظہارِ ضعف (اپنی کمزوری کو ظاہر کرنا)۔

④ **تکثیر الجمل** (اطناب و بسط): ایک جملے میں ادا ہونے والے مضمون کو ایک سے زائد جملوں میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ فِي خَلۡقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ، وَٱخۡتِلَٰفِ ٱلَّيۡلِ وَٱلنَّهَارِ، وَٱلۡفُلۡكِ ٱلَّتِي تَجۡرِي فِي ٱلۡبَحۡرِ بِمَا يَنفَعُ ٱلنَّاسَ، وَمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مِن مَّآءٖ فَأَحۡيَا بِهِ ٱلۡأَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٖ وَتَصۡرِيفِ ٱلرِّيَٰحِ وَٱلسَّحَابِ ٱلۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ

---

(۱) یہاں پر ﴿لِي﴾، ﴿لِوَٰلِدَيَّ﴾ اور ﴿لِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِيَ﴾ کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ﴿لِلۡمُؤۡمِنِينَ﴾ اور ﴿ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِۖ﴾ کے ضمن میں دوبارہ ذکر فرمایا گیا۔ (علم المعانی)

(۲) یہاں تقریرِ انذار کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے؛ یعنی آگے چل کر تم پر بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے، اور دُنیا کی زندگی اُس کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔

لَأٓيَٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَعۡقِلُونَ﴿١٦٤﴾﴾[1] [البقرة]

⑤ **اِعتِراض:** ایک ہی کلام کے درمیان، یا دو متصل المعنیٰ کلام کے درمیان ایک جملہ، یا زائد از جملہ عبارت کو-جس کا محلِ اعراب نہ ہو- دفعِ ایہام کے علاوہ کسی اَور نکتے -مثلاً: تنزیہ، تعظیم، تقریر یا دعا وغیرہ- کے لیے ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَيَجۡعَلُونَ لِلَّهِ ٱلۡبَنَٰتِ -سُبۡحَٰنَهُۥ- وَلَهُم مَّا يَشۡتَهُونَ﴿٥٧﴾﴾[2] [النحل].

زائد از جملہ عبارت کو لانے کی مثال: ﴿قَالَتۡ رَبِّ إِنِّي وَضَعۡتُهَآ أُنثَىٰ -وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ، وَلَيۡسَ ٱلذَّكَرُ كَٱلۡأُنثَىٰۖ- وَإِنِّي سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ﴾[3] [آل عمران:٣٦]

⑥ **احتراس وتکمیل:** خلافِ مقصود کا وہم پیدا کرنے والے کلام میں ایسی قید کا اضافہ کرنا جو اُس وہم کو دور کردے، جیسے: ﴿وَأَدۡخِلۡ يَدَكَ فِي جَيۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوٓءٍۖ﴾[4] [النمل:١٢].

---

① اِس خطاب میں اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنی وحدانیت کے مضمون کو سمجھانے کے لیے اطناب سے کام لیا ہے؛ تاکہ یہ خطاب ہر قسم کے متفکرین (جن وانس، عالم وجاہل، موافق ومخالف میں سے ہر ایک) کے لیے ہر زمانے میں عام ہوجائے۔ اِسی طرح ایمان کی شرافت اور کفر کی قباحت میں اطاعت گزاروں کی کامیابی اور عاصیوں کی ناکامی بیان کرنا، نیز نیکوکاروں کی الگ خوبیوں کا ذکر کرکے اُس پر اُبھارنا، اور بدکاروں کی مختلف بری عادتوں کا ذکر فرمانا؛ وغیرہ مضامین میں اللہ پاک نے اطناب سے کام لیا ہے۔(الزیادۃ والاحسان)

② اِس میں ﴿سُبۡحَٰنَهُۥ﴾ کو برائے تنزیہ ذکر کیا ہے۔

③ اِس جگہ امرأت عمران کے دوقولوں کے درمیان ﴿وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ﴾ إلخ کو تسلی اور تبشیر کے لیے ذکر کیا ہے۔(علم المعانی)

=

⑦ **اِیغال:** کلامِ شعر یا کلامِ نثر کو ایسے لفظ (رکن کلام یا قید) پر ختم کرنا جو ایسا نیا فائدہ دے جس کے بغیر کلام کا مقصد مکمل ہو چکا ہو، جیسے: ﴿وَجَآءَ مِنۡ أَقۡصَا ٱلۡمَدِينَةِ رَجُلٞ يَسۡعَىٰ، قَالَ يَٰقَوۡمِ! ٱتَّبِعُواْ ٱلۡمُرۡسَلِينَ۝٢٠ ٱتَّبِعُواْ مَن لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ أَجۡرٗا، وَهُم مُّهۡتَدُونَ۝٢١﴾ (۱) [یٰس]

⑧ **تتمیم:** کلام میں (رُکنین سے زائد) کوئی ایسی قَید لانا جو بلاغت کے کسی نکتے (مثلاً: مبالغہ وغیرہ) کا فائدہ دے اور معنیٰ کلام میں حسن پیدا کر دے، جیسے: ﴿وَءَاتَى ٱلۡمَالَ «عَلَىٰ حُبِّهِۦ» ذَوِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ﴾ [البقرۃ:۱۷۷]؛ ﴿وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ﴾ (۲) [الدھر:۸]

⑨ **تَوْشِیع:** یعنی کبھی کسی کلام کے اخیر میں مثنّیٰ کو لایا جائے پھر اُس کی دو

---

= ④ یعنی: ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے؛ دیکھیے! اِس آیت میں ﴿مِنۡ غَيۡرِ سُوٓءٍ﴾ نے برص اور کوڑھ کی بیماری ہونے کے وہم کو دور کیا ہے۔

① شہر کے پَرلے علاقے سے ایک شخص (حبیب نجار) دوڑتا ہوا آیا، اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اِن رسولوں کا کہنا مان لو! جو تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگ رہے، اور وہ لوگ (انبیاء ورُسل) صحیح راستے پر ہیں؛ دیکھیے! یہاں ﴿وَهُم مُّهۡتَدُونَ﴾ میں اِیغال ہے؛ کیوں کہ تمام انبیاء ورُسل ہدایت یافتہ ہی ہوتے ہیں؛ لیکن زیادتی ترغیب اور اَنبیاء کی اِتباع واِقتدا پر اُبھارنے کے لیے ﴿وَهُم مُّهۡتَدُونَ﴾ کو بڑھایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

② دیکھیے! یہاں ﴿حُبِّهِۦ﴾ کی ضمیر مال اور اسباب کی طرف لوٹائیں تو اِس سے صحابہ اور مسلمانوں کے وصفِ اِیثار وہمدردی میں مبالغہ ہوگا، کہ یہ لوگ اپنی ضرورت اور چاہت کے باوجود حاجت مندوں پر خرچ کرتے ہیں، اور اِس وقت یہ مثال ''تتمیم'' کے قبیل سے ہوگی۔ =

مفردوں کے ذریعے تفسیر کی جائے، جیسے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي مَرَجَ ٱلْبَحْرَيْنِ: هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ، وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾[1] [الفرقان: ٥٣]

⑩ **تذییل:** مضمونِ کلام میں محض تاکید کا فائدہ دینے کے لیے ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنیٰ پر مشتمل ہو؛ جیسے: ﴿وَقُلْ جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ ۚ «إِنَّ ٱلْبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا» ﴿٨١﴾﴾[2] [الإسراء].

= ملاحظہ: تتمیم اور ایغال کے درمیان دو اعتبار سے فرق ہے۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

① اور (اللہ کی ذات) وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اِس طرح ملا کر چلایا کہ: ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے؛ اور ایک نمکین ہے سخت کڑوا؛ اور اِن دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کردی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کرسکتا۔

② دیکھیے! یہاں جملۂ ثانیہ ﴿إِنَّ ٱلْبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ اپنے معنیٰ کا فائدہ دینے میں جملۂ اُولیٰ کا محتاج نہیں؛ لیکن جملۂ اولیٰ کے مضمون کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

ملاحظہ: تذییل اور ایغال کے درمیان تین اعتبار سے فرق ہے۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ ہو۔

## اِطناب کی مزید انواع

① جملوں کی کثرت ② حرفِ تاکید کو جملوں پر داخل کرنا ③ حروفِ استفتاحیہ کو داخل کرنا ④ حرفِ تنبیہ کو داخل کرنا ⑤ تاکیدِ لفظی لانا ⑥ تاکیدِ معنوی لانا ⑦ تاکید بذریعۂ مفعول مطلق ⑧ تاکید بذریعۂ حال مؤکدہ ⑨ تکریر لاغراض ⑩ صفت ⑪ بدل ⑫ عطفِ بیان ⑬ الفاظِ مترادفہ کو ایک ساتھ استعمال کرنا۔

(الزیادۃ والاحسان بزیادۃ)

اطناب کے دواعی چار ہیں: ① تثبیت المعنی: مضمون کے تمام گوشوں کو دلائل سے ثابت کرنا (یہ اُسلوب قرآنِ مجید میں بہ کثرت ہے) اور قسموں کو ذہن میں بٹھانا ② توضیح المراد: مقصود کو واضح کرنا ③ توکید: مضمون کو مؤکد کرنا ④ دفع الایہام: اختصار کی صورت میں وہم پیدا ہوسکتا ہو، اِس سے احتراز کرنا۔

# فصلِ ثالث: مُساوات

**مساوات:** معنیٔ مقصود کی ادائیگی کا وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں درمیانی لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ معانی کے بقدر ہوں، یعنی: الفاظ نہ زیادہ ہوں اور نہ ہی کم، جیسے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦۚ﴾(1) [الأنعام:٦٨]؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: «الحَلالُ بَيِّنٌ وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَمَابَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ».

**فائدہ:** مساوات ایک اضافی اُسلوب ہے، اِس کی تعیین کے لیے ''ایجاز واطناب'' کی اَنواع کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے۔

---

(1) اِس آیت میں کُفّار کے آیاتُ اللہ سے استہزا وعیب جوئی کے وقت اُن سے کنارہ کشی کرنے کا حکم ہے؛ اِس مثال میں الفاظ بہ قدرِ معانی ہیں، نہ کم ہیں نہ زیادہ۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: ایجاز، اطناب اور مساوات کا مدار اوساط الناس کے عرف پر ہے؛ لہٰذا حدیث نبوی اوساط الناس کے عرف کے مطابق مساوات کی مثال ہوگی؛ ورنہ بُلغا اور فقہا کے نزدیک یہی مثال اِیجاز قِصَر کی ہے، جیسا کہ مسائلِ فقہیہ اور دلائل سے خوب واضح ہے۔(علم المعانی)

# تتمۂ علمِ معانی

## خلافِ مقتضائے حال کلام

ماقبل میں بیان کردہ قواعد کے مطابق کلام کرنا ''مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا'' کہلاتا ہے؛ لیکن کبھی ظاہر کے خلاف بعض ایسے اَحوال واعتبارات بھی ہوتے ہیں جن کو متکلم ملحوظ رکھنا چاہتا ہے؛ ایسے مواقع پر ظاہرِ حال سے اعراض کیا جاتا ہے، جس کو ''خلافِ مقتضائے ظاہر کلام کرنا'' کہا جاتا ہے، مثلاً: حکم کی بابت خالی الذہن کو متردِّد یا منکر مان لینا، یا متردِّد فی الحکم کو خالی الذہن یا منکر متصوّر کرنا، یا منکرِ حکم کو خالی الذہن کے درجے میں اُتار کر کلام کرنا۔

اخراج الکلام علیٰ خلاف مقتضی الظاہر کی بعض انواع یہ ہیں:

تَنْزِيْل العَالِمِ مَنْزِلَةَ الجَاهِل، تَنْزِيْل غيرِ المنْكِرِ مَنْزِلَة المنْكِر، تَنْزِيْل المنْكِرِ مَنْزِلَة غَيْرِ المنْكِر، وَضْعُ الخَبَرِ مَوْضِع الإنْشَاء، وَضْعُ الإنْشَاءِ مَوْضِع الخَبَر، التَّعبِيْر عنِ المسْتَقْبِل بلفْظِ الماضِي، تَعْبِيْر عنِ الماضِيْ بِلفْظِ المسْتَقْبِل، الالتِفَات، وَضْع المظْهَر مَوْضِع المضْمَر، وَضْع المضْمَر مَوْضِع المظهَر، القَلْب، أسْلُوْبِ الحَكِيْم، تَجَاهُلُ العَارِف، التَّغْلِيْب.

① **تنزيل العالم منزلة الجاهل:** یعنی فائدۂ خبر یالازمِ فائدۂ خبر سے واقف کار انسان کو ناواقف اور جاہل فرض کر لینا، جیسے: تیرا قول اُس آدمی کو جو اپنے والد کو تکلیف پہنچاتا ہو: هٰذَا أَبُوْكَ؛ ﴿أَفَسِحْرٌ هَٰذَآ! أَمْ أَنتُمْ

لَا تُبۡصِرُونَ ۝۱۵﴾[1] [الطور].

② **تنزيل غير المنكر منزلة المنكر:** غیر منکر (حکم سے خالی الذہن) مخاطب کو منکر فرض کرلیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿ثُمَّ إِنَّكُم بَعۡدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝۱۵﴾[2] [المؤمنون].

③ **تنزيل المنكر منزلة غير المنكر:** منکر کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اُسے غیر منکر (خالی الذہن) کے درجے میں اُتارنا، اور یہ اشارہ کرنا کہ یہ بات ایسی ہے کہ اگر مخاطب اِس خبر کے دلائل وشواہد پر غور کرے گا تو ضرور اپنے انکار سے باز آجائے گا اور تکذیب کو چھوڑ دے گا، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿«وَإِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞ» لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ۝۱۶۳﴾[3] [البقرة].

④ **وضع الخبر موضع الإنشاء:** جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی غرض

---

① یعنی: تُم دنیا میں انبیاء کو ''جادوگر'' اور اُن کی وحی کو ''جادو'' کہا کرتے تھے، ذرا اب بتلاؤ! کہ یہ دوزخ -جس کی خبر انبیاء نے دی تھی- کیا واقعی جادو، یا نظر بندی ہے؟ یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا، اب بھی نہیں سوجھتا!۔ یہاں فرشتے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے تجاہلِ عارفانہ کے طور پر، یعنی: اپنے آپ کو جاہل کے درجے میں اُتار کر یہ سوال کریں گے۔

② دیکھیے: مشرکین موت کے منکر تو نہیں تھے؛ لیکن غفلت اور اعراض عن العمل کو دیکھتے ہوئے منکرین کے درجے میں اتار کر اُن سے مؤکد کلام کیا گیا۔

③ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خطاب اُن مشرکین سے ہے جو جان بوجھ کر حق (اللہ کی وحدانیت) کو ٹھکراتے تھے۔ چناں چہ حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ کلام کو مؤکد لایا جاتا؛ لیکن اُن کے وحدانیت الٰہی کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کلام کو غیر مؤکد لایا گیا؛ اور یہ بتلایا کہ: اے مشرکو! اگر تم وحدانیت کے دلائل وشواہد میں غور کرتے تو انکار سے باز آجاتے۔

وفائدے کے لیے استعمال کرنا، مثلاً: نیک فالی، اظہارِ رغبت، اظہارِ حرص، صیغۂ امر ونہی سے احتراز یا مطلوب کے بجالانے پر مخاطب کو ابھارنا وغیرہ۔

⑤ **وضع الانشاء موضع الخبر:** اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشا کو استعمال کیا جائے؛ تفصیل ''خبر وانشاء'' میں ملاحظہ فرمالیں۔

⑥ **تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی:** کسی غرض سے مضارع کی جگہ ماضی استعمال کرنا، مثلاً: فعل کے وقوع کے یقینی ہونے پر خبردار کرنا مقصود ہو، جیسے:

﴿أَتَىٰٓ أَمۡرُ ٱللَّهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوهُۚ﴾[1] [النحل:۱]، أيْ: يَأْتِيْ أمْرُ اللّٰهِ.

⑦ **تعبیر عن الماضی بلفظ مستقبل:** کسی غرض سے ماضی کی جگہ مضارع کو رکھا جاتا ہے، مثلاً: زمانۂ ماضی میں گذری ہوئی کسی حالت کو اِس طور پر بیان کرنا کہ خیال میں عجیب وغریب صورت کا استحضار ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَٱللَّهُ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ ٱلرِّيَٰحَ فَتُثِيرُ سَحَابٗا﴾[2] [فاطر:۹]

⑧ **التفات:** کلام کو تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اُسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا؛ تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہوجائے یا اکتاہٹ سے

---

① اللہ کا حکم آپہنچا، سو اُس کی جلدی مت کرو۔ یعنی قیامت کا آنا یقینی ہے، اور جس کا آنا یقینی ہو اُس کا وقوع قریب سمجھنا چاہیے، گویا قیامت آچکی۔

② اور اللہ ایسا ہے جس نے چلائی ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو۔ یہاں اللہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرنے والی اِس عجیب وغریب صورت کے استحضار کے لیے کہ گویا ہوائیں بادلوں کو اُٹھا رہی ہیں اور تُو اس کا مشاہدہ کررہا ہے؛ یہ بتانے کے لیے بہ جائے «أثار» کے ﴿تُثِيرُ﴾ کو استعمال کیا گیا ہے۔ (علم المعانی)

بچ جائے؛ جیسے: ﴿إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ ۝٢﴾ (۱) [الکوثر]

⑨ **وضع المظهر موضع المضمر :** کسی غرض (مثلاً: زیادتِ تقریر) کے لیے اسمِ ظاہر کے استعمال کی جگہ اسمِ ضمیر کو لانا، جیسے: ﴿وَبِٱلۡحَقِّ أَنزَلۡنَٰهُ وَبِٱلۡحَقِّ نَزَلَ﴾ (۲) [الإسراء:۱۰۵]

⑩ **وضع المضمر موضع المظهر :** کسی غرض سے اسمِ ظاہر کی جگہ ضمیر کا استعمال کرنا، جیسے: ﴿أَفَلَمۡ يَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَتَكُونَ لَهُمۡ قُلُوبٞ يَعۡقِلُونَ بِهَآ أَوۡ ءَاذَانٞ يَسۡمَعُونَ بِهَاۖ فَإِنَّهَا لَا تَعۡمَى ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَلَٰكِن تَعۡمَى ٱلۡقُلُوبُ ٱلَّتِي فِي ٱلصُّدُورِ ۝٤٦﴾ (۳) [الحج]

⑪ **قلب :** یعنی کلام کے دو اجزا میں سے ہر ایک کو کسی نکتے کے پیشِ نظر اُس

---

(۱) (اے پیغمبر!) یقین جانو! ہم نے تم کو کوثر عطا کر دی ہے؛ لہٰذا تم اپنے پروردگار کی (خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو!۔ یہاں مخاطب میں نشاط پیدا کرنے کے لیے ایک نیا اسلوب بہ جائے «فصل لنا» کے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ تکلّم سے غیبوبت کی طرف التفات فرمایا۔

(۲) کلام کا مقتضا تو یہ تھا کہ «وبه نزل» فرمایا جاتا؛ لیکن تاکید پیدا کرنے کے لیے اسم ظاہر کو لایا گیا، نیز حصر کے فائدے کے لیے ﴿بِٱلۡحَقِّ﴾ کو مقدم بھی کیا گیا۔

(۳) ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں! جس سے اُنھیں وہ دل حاصل ہوتے جو اُنھیں سمجھ دے سکتے ہوں، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں؛ بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں؛ یہاں ﴿فَإِنَّهَا﴾ کی ''ھا''، ضمیرِ قصہ جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں؛ ابتداءً ہی جملہ ذکر کرنے کے بہ جائے پہلے ضمیرِ قصہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

ملحوظہ: ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ اِسی قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ ابہام کے بعد وضاحت، اجمال کے بعد تفصیل کرنا نفس پر ایک خاص اثر چھوڑتا ہے۔

کے صاحب کی جگہ رکھنا؛ مثلاً معطوفات میں قلب کرنا: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا «نَسِيَا حُوتَهُمَا»، «فَٱتَّخَذَ سَبِيلَهُۥ فِي ٱلْبَحْرِ سَرَبًا»﴾[1] [الكهف]

⑫ **اُسلوب حکیم:** کلامِ متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا؛ اِس کی اوّلاً دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ: سائل کو ایسا جواب دینا جو اُس نے نہیں پوچھا، جیسے فرعون کے سوال: ﴿وَمَا رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ [الشعراء]؛ کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے یوں دیا: ﴿رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾[2] [الشعراء].

صورتِ ثانیہ: مخاطب کو ایسا جواب دینا ہے جس کا وہ منتظر نہ ہو، جیسے: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ قُلِ: ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾[3] [إسراء:۸۵].

⑬ **تجاھلِ عارفانہ:** تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی

---

① دیکھیے! مچھلی کا دریا میں راستہ بنانے کا واقعہ پہلے ہوا تھا اور نسیان بعد میں طاری ہوا تھا، یعنی: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهَا، اِتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَنَسِيَا حُوْتَهَا؛ یہ مثال قلبِ عطف کے قبیل سے ہے۔

② ﴿ما﴾ کے ذریعے حقیقت و ماہیت اور جنس کا سوال ہوتا ہے؛ باری تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کرنا بڑی غلطی ہے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں جس کو "ما" کے جواب میں بیان کی جائے، چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلط سوال کا جواب نہیں دیا؛ بلکہ صحیح جواب دے کر صحیح سوال کی طرف اشارہ کیا کہ: یہاں سوال «مَنْ رَبُّ العَالَمِيْنَ؟» ہونا چاہیے تھا۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

③ یہودیوں نے روح کے متعلق یہ سوال اِس لیے کیا تھا کہ لفظِ "روح" ایک مشترک لفظ ہے جس میں انسان، قرآن، عیسیٰ علیہ السلام، جبرئیل اور ملائکہ کی ایک جماعت داخل ہیں؛ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن میں سے جو بھی جواب دیں گے، ہم دوسرے معنیٰ کو دیکھتے ہوئے اُس کی تردید کریں گے۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کی روشنی میں خلافِ منتظَر ایسا مجمل جواب دیا کہ اُن کی چال دھری کی دھری رہ گئی۔ (الاتقان)

غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شیٔ کی جگہ لانا۔

⑭ **تغلیب:** دو یا چند ہمراہیوں یا ملتی جلتی (باہمی مربوط) چیزوں میں سے ایک کے لفظ کو دوسرے پر غلبہ دینا، بہ ایں طور پر کہ دوسرے کے لفظ کو پہلے کے موافق بنالیا جائے، پھر اِن دونوں کے الگ الگ معانی کو مراد لیتے ہوئے کسی ایک اسم کا تثنیہ لایا جائے، جیسے: ﴿وَكَانَتْ مِنَ ٱلْقَٰنِتِينَ﴾[1] [التحریم]

① قیاس کے مطابق من القانتات آنا چاہیے تھا؛ لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے ﴿مِنَ ٱلْقَٰنِتِينَ﴾ فرمایا، اور یہ واضح کیا کہ: حضرت مریم –علیہا السلام– زہد و ریاضت میں مَردوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ اور جیسے اب اور ام کو ''اَبَوَین'' سے اور شمس وقمر کو ''قمرَین'' سے تعبیر کرنا۔

# علمِ بیان

# علمِ بیان کے طُرقِ ثلاثہ

علمِ بیان میں تین چیزوں سے بحث کی جاتی ہے: تشبیہ، مجاز، کنایہ۔

# بابِ اوّل در تشبیہ

**تشبیہ:** مخصوص غرض کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ، ایک یا چند اوصاف میں، اداتِ تشبیہ کے ذریعے شریک کرنا؛ چاہے وہ ادات ملفوظ ہوں یا ملحوظ۔

تشبیہ کے ضمن میں تین بحثیں بیان کی جاتی ہیں: ارکانِ تشبیہ، اقسامِ تشبیہ، اغراضِ تشبیہ۔

## فصلِ اوّل: ارکانِ تشبیہ

تشبیہ کے ارکان چار ہیں: مشبہ، مشبہ بہ، وجہِ شبہ، اداتِ تشبیہ۔

**مشبہ:** وہ شئ ہے جس کو دوسرے کے ساتھ کسی وصف میں شریک کیا جائے۔

**مشبہ بہ:** وہ شئ ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے؛ ﴿أَعْمَٰلُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ [إبرٰهيم:۱۸]؛ یہاں مشرکین کے اعمال (مشبہ) کو راکھ (مشبہ بہ) سے تشبیہ دی ہے اور کاف اداتِ تشبیہ ہے۔

**وجہِ شبہ:** وہ مخصوص وصف ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ شریک ہوں[1]۔

**اداتِ تشبیہ:** وہ مخصوص کلمہ ہے جو طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کے وصفِ

---

(۱) ملاحظہ: مشبہ بہ وجہِ شبہ میں مشہور ہونا چاہیے، نیز اکثر و بیشتر وجہِ شبہ، مشبہ بہ میں اقویٰ و اکمل ہوا کرتی ہے۔

مخصوص میں مشارکت پر دلالت کرے، جیسے: آپ ﷺ کا فرمانِ عالی:
«المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»[1] [ترمذي].

اداتِ تشبیہ یہ ہیں: کاف، كَأَنَّ، مِثْلٌ، شِبْهٌ اور نحوٌ؛ نیز مُشَابَهَةٌ، مُمَاثَلَةٌ وغیرہ کے مشتقات[2]۔

فائدہ: تشبیہ میں دو مغایر چیزوں کے درمیان اتحاد کو بتلانے کے لیے کبھی اداتِ شبہ کو حذف کر لیتے ہیں، تو کبھی وجہِ شبہ کو اور کبھی دونوں ہی کو حذف کر لیتے ہیں؛ البتہ طرفین ضرور موجود ہوتے ہیں، چاہے ملفوظ ہوں یا مقدر۔ ہاں! جہاں طرفین میں سے کسی ایک کو حذف کر دیا جائے گا تو وہ اُسلوب ''تشبیہ'' سے نکل کر ''اِستعارے'' میں داخل ہو جائے گا۔

## فصلِ ثانی: تقسیماتِ تشبیہ

### تقسیمِ اول: اقسامِ تشبیہ بہ اعتبارِ اَدات

اداتِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مرسل ② مؤکد۔

**مُرْسَل:** وہ تشبیہ ہے جس میں اداتِ تشبیہ مذکور ہو، جیسے: ﴿أُوْلَـٰٓئِكَ

---

① ایک مؤمن کی مثال دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی سی ہے، کہ عمارت کا بعض حصہ دوسرے بعض کو مضبوط بناتا ہے، اِسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے تقویت حاصل کرتا ہے؛ یہاں المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ مشبہ ہے، البُنْيَانِ مشبہ بہ ہے، اور يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ترکیباً حال یا صفت بن کر وجہِ شبہ ہے۔

② مفرد پر داخل ہونے والے اداتِ تشبیہ: کاف، مِثل اور شِبہ وغیرہ سے ملا ہوا رُکن ''مشبہ بہ'' ہوتا ہے، اور جملے پر داخل ہونے والے ادات: كأنّ، يشابه، يحكي اور يماثل وغیرہ سے ملا ہوا رُکن ''مشبہ'' ہوتا ہے۔

كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ﴾[1] [الأعراف:۱۷۹]، في عدم الفقه وبصر الاعتبار.

**مؤكَّد:** وہ تشبیہ ہے جس میں اداۃِ تشبیہ محذوف ہو، جیسے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ۝٤٥ وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذۡنِهِۦ وَسِرَاجٗا مُّنِيرٗا ۝٤٦﴾[2] [أحزاب].

## تقسیمِ ثانی: اقسامِ تشبیہ بہ اعتبارِ ذکرِ وجہِ شبہ وعدمِ ذکر

وجہِ شبہ کے مذکور ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:
① مفصل ② مجمل۔

**مُفَصَّل:** وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ مذکور ہو، جیسے: ﴿إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ﴾ [النساء:۱٦۳]؛ ﴿يَعۡرِفُونَهُۥ كَمَا يَعۡرِفُونَ أَبۡنَآءَهُمۡۖ﴾[3] [البقرة:۱٤٦]

**مُجۡمَل:** وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ محذوف ہو، جیسے: ﴿وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ﴾[4] [آل عمران: ۱۳۳].

---

① یہاں اداتِ شبہ کاف مذکور ہے؛ لہٰذا یہ تشبیہِ مرسل ہے۔

② یہاں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹنے والی ﴿أَرۡسَلۡنَٰكَ﴾ کی "کاف" ضمیر منصوب ذوالحال اور مشبہ ہے جب کہ ﴿سِرَاجٗا مُّنِيرٗا﴾ حال اور مشبہ بہ ہے۔

③ آیتِ اولیٰ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت نوح علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے "وحی بھیجے جانے میں"، اور وجہِ شبہ مذکور بھی ہے؛ لہٰذا یہ "تشبیہِ مفصل" ہوگی؛ نیز دوسری آیت میں احبارِ یہود سے خطاب فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "معرفت" میں احبارِ یہود کے بیٹوں سے تشبیہ دی ہے۔

④ اور دوڑو رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض جیسا =

ملاحظہ: جس تشبیہ میں اداۃِ تشبیہ اور وجہِ شبہ دونوں محذوف ہوں اُس کو "تشبیہِ بلیغ" کہتے ہیں، جیسے: ﴿ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ وَ"أَزۡوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمۡۗ"﴾ [الأحزاب:٦]؛ ﴿صُمُّۢ بُكۡمٌ عُمۡيٞ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُونَ﴾[1] [البقرة]

## تقسیمِ ثالث: اقسامِ تشبیہ باعتبارِ انتزاعِ وجہِ شبہ

وجہِ شبہ کے متعدد چیزوں سے منتزع ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① تشبیہِ تمثیل ② تشبیہِ غیر تمثیل۔

① **تشبیہ تمثیل**: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت ہو، جیسے: ﴿مَثَلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ ٱلۡعَنكَبُوتِ﴾[2] [العنكبوت:٤١].

---

= ہے۔ دیکھیے! جنت کے عرض کو چوڑائی اور پھیلاؤ میں آسمان وزمین کے عرض کے ساتھ تشبیہ دی، کیوں کہ انسان کے دماغ میں آسمان اور زمین کی وسعت سے زیادہ کوئی وسعت نہیں آسکتی تھی۔

① آیتِ اولیٰ: مذکورہ آیت میں ﴿أَزۡوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمۡۗ﴾ کی تقدیری عبارت تشبیہ کے ارکانِ اربعہ کے لحاظ سے اس طرح ہے: «أزْوَاجُه مِثْل أمَّهَاتِهِم فِيْ وُجُوْب الاحْتِرَام وَالتَّعْظِيْم وَالإجْلالِ وَالتَّكْرِيْم». (صفوۃ التفاسیر)۔ آیتِ ثانیہ: منافقین بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے؛ یہاں «ھم» مشبہ مبتدائے محذوف (مقدر) ہے اور اداتِ شبہ بھی حذف ہے، اور ﴿صُمُّۢ بُكۡمٌ عُمۡيٞ﴾ مشبہ بہ ہے اور ترکیب میں خبر واقع ہے۔ (فوائد)

② یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن لوگوں کی حالت کو تشبیہ دی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں کہ وہ اُن کی مدد کریں گے؛ حالاں کہ وہ بت اِس بات سے بہت کمزور ہے کہ اُن کی پناہ پکڑی جائے۔ اِن کی حالت کو اُس مکڑی کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو اپنے دھاگوں سے ایک گھر بناتی ہے، یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ گھر دشمنوں کے حملے سے اُس کی حفاظت کرے گا؛ حالاں کہ وہ گھر انتہائی =

② **تشبیہِ غیر تمثیل:** وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت نہ ہو، جیسے حدیثِ اُم زرع میں ہے: قَالَتْ الثَّامِنَة: زَوْجِيْ المَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ، وَالرِّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ[1]. (شمائل ترمذی)

**ملاحظہ:** وجہِ شبہ کا طرفین سے تعلق چھ قسم کا ہوتا ہے۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ ہو۔

## فصلِ ثالث: اغراضِ تشبیہ

مشبہ سے متعلق اغراضِ تشبیہ چھ ہیں:

بیانِ امکانِ وجودِ مشبہ، بیانِ حالِ مشبہ، مقدارِ حالِ مشبہ، تقریرِ حالِ مشبہ، تحسینِ مشبہ، تقبیحِ مشبہ۔

① **بیان امکان وجودِ مشبہ:** یعنی مشبہ کے وجود کا ممکن ہونا بیان کرنا؛ جیسے: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ ۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝٥٩﴾[2] [آل عمران].

---

= کمزور اور بودہ ہے؛ وجہِ شبہ: ایسی چیز کی صورت ہے جو دوسری ایسی چیز سے حفاظت کا اعتقاد رکھے جو اُس کی حفاظت نہ کر سکے۔

① حدیثِ اُم زرع میں آٹھویں عورت نے کہا تھا: مَسُّه مَسُّ أَرْنَبٍ، أيْ: مَسُّه كَمَسِّ أَرْنبٍ «فِيْ اللِّيْنِ والنُّعُوْمَة»؛ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح ہے نرم و نازُک ہونے میں اور زعفران کی طرح مہکتا ہے خوشبو میں۔ یہ تشبیہِ بلیغ ہے اور وجہِ شبہ متعدد چیزوں سے منتزع بھی نہیں؛ لہٰذا تشبیہِ غیر تمثیل ہے۔

② جب مشبہ کی طرف ایسے امورِ غریبہ کی نسبت کی گئی ہو جس کو عقل اولِ وہلہ میں تسلیم نہ کرتی ہو تو تشبیہ دے کر مشبہ بہ میں اِس امر کا پایا جانا بیان کیا جاتا ہے، جیسے: نصارائے نجران جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے =

② **بیان حال مشبہ:** مشبہ میں پائی جانے والی حالت وصفت کو (مثال کے ذریعے) بیان کرنا؛ جیسے: حدیثِ امِ زرع میں چوتھی عورت نے کہا تھا: زَوْجِيْ كَلَيْلِ تِهَامَةَ(۱). [شمائل الترمذي]

③ **مقدارِ حالِ مشبہ:** یعنی مشبہ میں موجود صفت وحالت کی مقدار بیان کرنا، جیسے: شَرِبْتُ دَوَاءً مُرًّا كَالحَنْظَلِ(۲).

④ **تقریر وتاکید حال مشبہ:** مشبہ کی حالت کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنا اور جمانا، جیسے: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا ٱلْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُۥ ظُلَّةٌ﴾(۳)

[الأعراف:۱۷۱]

---

= پاس آئے تھے تو اُنھوں یہ سوال کیا تھا کہ: اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ: وہ کس کے بیٹے تھے؟ اِس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: آدم علیہ السلام کے تو نہ باپ تھے اور نہ ہی ماں تھی، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے!۔

(۱) مخاطب کو مشبہ میں پائی جانے والی صفت معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی صفت وحالت سے متصف ہے؟ تو اِس حالت وصفت کو بیان کرنے کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے، جیسے: بالوں کی سیاہ رنگت کو رات سے، چہرے کو چمک دمک میں چاند سے اور رخسار کو سرخ ہونے میں گلاب سے تشبیہ دینا اِسی قبیل سے ہیں۔

(۲) یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب کہ مخاطب مشبہ کی صفت کو اجمالی طور پر جانتا ہو؛ لیکن اُس صفت کی مقدار (قوت وضعف، زیادتی ونقصان) سے ناواقف ہو؛ جیسے: کسی کے نہایت سیاہ بالوں کو سخت اندھیری رات کی سیاہی سے تشبیہ دینا اور مخصوص چہرے کی سرخی کو گلاب کی سرخی سے تشبیہ دینا۔ (علم البیان)

(۳) یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی حالت اور مقدار دونوں معلوم ہوں؛ البتہ مشبہ کے امرِ معنوی (عقلی یا خلافِ عادت) ہونے کی وجہ سے اُس کی ہیئت اچھی طرح راسخ نہیں ہوتی؛ لہٰذا اِس مشبہ کو امرِ حسی کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ کی اُس ہیئت کو سامع کے ذہن میں راسخ کیا جاتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ''اور جس وقت ہم نے اُن کے اوپر پہاڑ اٹھایا گویا کہ وہ پہاڑ سائبان ہے''؛ یہاں =

**۵ تحسین وتزیینِ مشبہ :** یعنی مشبہ کو مرغوب مشبہ بہ سے تشبیہ دے کر حسین وجمیل صورت میں پیش کرنا؛ جیسے سولی دیے ہوئے آدمی کی تحسین میں ابوالحسن الانباری کا شعر:

مَدَدْتَ يَدَيْكَ نَحْوَهُمْ اِحْتِفَاءً ۞ كَمَدِّهِمَا إِلَيْهِمْ بِالْهِبَاتِ[1]

**۶ تَقْبِيْح مُشَبَّه :** مشبہ کو بدنُما چیز سے تشبیہ دے کر قبیح صورت میں پیش کرنا، جیسے ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کی مذمت کرتے ہوئے کہا: «تَفْتَحُ -لا كَانَتْ- فَمًا لَوْ رَأَيْتَهُ، تَوَهَّمْتَهُ بَابًا مِّنَ النَّارِ يُفْتَحُ»[2].

---

=سروں پر پہاڑ اُٹھانا، خلافِ عادۃ اللہ چیز ہے جو امرِ عقلی ہے اِس کو موافقِ عادت چیز (سائبان کا سروں پر ہونا) سے تشبیہ دی ہے، تاکہ سامع کے ذہن میں مشبہ کی حالت اچھی طرح مرتسم ہوجائے۔

(علم البیان)

۱ یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی تعریف کرنا اور طبیعتوں کو اُس کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ یہاں شاعر نے لکڑی پر سولی دیے ہوئے آدمی کے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی غیر مرغوب؛ بلکہ قابلِ نفرت ہیئت کو اِسی ممدوح کے اپنی زندگی میں ہاتھ پھیلا کر سخاوت کرنے کی ہیئتِ مرغوبہ کے ساتھ تشبیہ دے کر مزین اور خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔

۲ یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی برائی کرنا اور دلوں میں اُس کی نفرت پیدا کرنا مقصود ہو۔ یہاں شاعر نے اپنی بیوی کے کھلے ہوئے منہ کی قباحت بیان کرنے کے لیے اُس کو جہنم کے کھلے ہوئے دروازے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تشبیہ کی غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹے اِس کی ایک اہم صورت تشبیہِ مقلوب میں ہوتی ہے؛ تشبیہِ مقلوب وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ کی جگہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی جگہ رکھنا اور یہ خیال دِلانا کہ وجہِ شبہ، مشبہ میں مشبہ بہ کے بالمقابل زیادہ قوی ہے، جیسے: ﴿أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ﴾ [النحل:۱۷]

• • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • • •

= عبادت کی حق دار تو وہ ذات ہے جس نے حیوانات ونباتات، شجر وحجر، شمس وقمر، بر وبحر کو پیدا کیا ہے، اور عالم کا نظام سنبھالے ہوئے ہے؛ گویا عبادت کے استحقاق میں ﴿مَن يَخلُقُ﴾ اصل یعنی مشبہ بہ ہے، اور ﴿مَن لَّا يَخلُقُ﴾ فرع یعنی مشبہ ہے؛ لیکن مشرکین کی یہ کس قدر حماقت ہے، کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ؛ بلکہ ایک جَو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، اُنھیں معبود ومستعان ٹھہرا کر خداوندِ قدوس کے برابر کردیا؛ باری تعالیٰ نے اُن کی جہالت کی تصویر کشی میں مبالغہ کرتے ہوئے بطور تشبیہِ مقلوب اِن لوگوں کو اُس آدمی کے درجے میں اتار دیا جو یہ اعتقاد رکھے ہوئے ہو کہ: ﴿مَن لَّا يَخلُقُ﴾ عبادت کے زیادہ حق دار ہے ﴿مَن يَخلُقُ﴾ کے مقابلے میں؛ اسی وجہ سے ﴿مَن لَّا يَخلُقُ﴾ کو اصل (مشبہ بہ) اور ﴿مَن يَخلُقُ﴾ کو فرع (مشبہ) بنایا۔

بیانِ اہتمام: مطلوب (مشبہ بہ) کا اظہار کرنے اور اُس کے اہتمام کو بتانے کے لیے بہ جائے کامل کے ناقص سے تشبیہ دینا، جیسے: ایک بھوکا آدمی، گولائی لیے ہوئے چہرے کو بدر کے ساتھ تشبیہ دینے کے بجائے رغیف سے تشبیہ دے کر اپنے مطلوب کا اظہار کرے۔ (الزیادۃ)

# بابِ ثانی در مجاز

## فصلِ اوّل: حقیقت ومجاز

**حقیقت:** وہ لفظ ہے جو اُس معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہو جس معنیٰ پر دلالت کرنے کے لیے واضع نے اُس کو وضع کیا ہے، جیسے: ﴿هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنشَأَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ﴾[1] [أنعام: ۹۸]

**مجاز:** وہ لفظ ہے جو کسی عَلاقے کی وجہ سے معنیٔ غیر موضوع لہٗ میں مستعمل ہو، ایسے قرینے کے ساتھ جو اُس لفظ کے حقیقی معنیٰ مراد لینے سے روکتا ہو[2]۔

---

(۱) وہی ذات ہے جس نے تم سب کو ایک شخص (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اِس آیتِ کریمہ کے تمام کلمات اُن ہی معانی پر دلالت کرتے ہیں جن کے لیے واضعین نے وضع کیا ہے۔

(۲) علاقہ: معنیٔ حقیقی اور معنیٔ مجازی کے درمیان کی وہ مناسبت (تعلق) ہے جو ذہن کو معنیٔ حقیقی سے معنیٔ مجازی کی طرف منتقل ہونے کو لازم کرے؛ چاہے وہ مناسَبت مشابہت کی ہو یا غیر مشابہت کی۔

قرینہ: وہ شئ ہے جو ذہن کو لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتی ہو؛ خواہ وہ شئ لفظوں میں موجود ہو (قرینۂ لفظیہ) یا لفظوں میں موجود نہ ہو؛ بلکہ ایک حالت ہو (قرینۂ حالیہ)، جیسے: ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَعۡصِرُ خَمۡرٗاۖ﴾ [یوسف:۳٦]. دونوں جوان قیدیوں میں سے ایک نے (ایک دن یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ: ''مَیں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ مَیں شراب نچوڑ رہا ہوں''؛ یہاں قرینہ لفظِ ﴿أَعۡصِرُ﴾ ہے جو لفظِ ﴿خَمۡرٗاۖ﴾ سے اُس کے حقیقی معنیٰ (انگوری شراب) مراد لینے سے ذہن کو روکتا ہے؛ اِس لیے کہ خمر کو نچوڑا نہیں جاتا؛ بلکہ انگور کو نچوڑا جاتا ہے (قرینہ)۔ =

# فصلِ ثانی: در مجازِ مرسل

**مَجازِ مُرْسَل:** مجازِ مفرد کی پہلی قسم مجازِ مرسل ہے، وہ ایسا مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کے معنیٔ حقیقی اور معنیٔ مجازی کے درمیان مشابہت کے علاوہ کا علاقہ (مناسبت

=

مجاز

لفظ میں ہوگا — ''مجازِ لغوی''

نسبت میں ہوگا — ''مجازِ عقلی''⑤

مجازِ لغوی

مجازِ مفرد میں ہوگا: تشبیہ کا علاقہ ہوگا — استعارہ① ؛ غیر تشبیہ کا علاقہ ہوگا — مجازِ مرسل②

مجازِ مرکب میں ہوگا: تشبیہ کا علاقہ ہوگا — استعارۂ تمثیلیہ③ ؛ غیر تشبیہ کا علاقہ ہوگا — مجازِ مرکب④

بالترتیب مثالیں
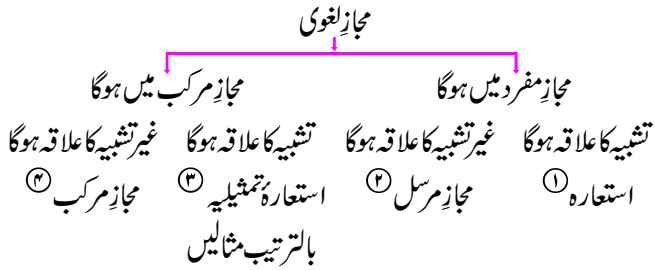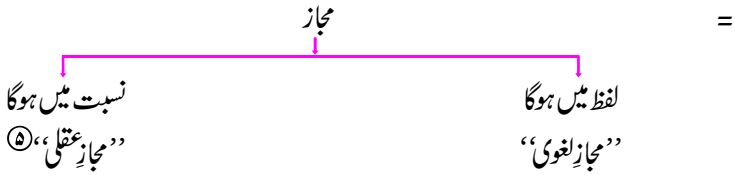
(١) استعارہ، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾، أي: في قلوبِهم نِفاقٌ، كالمَرض في الاستقرار والاستحكام.

(٢) مجازِ مرسل، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ﴾ أي: يجعَلون أناملِهم التيْ هي أجزاء الأصَابع.

(٣) استعارۂ تمثیلیہ، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا﴾، حيثُ شُبهَت حالُ المتَمَسِّك بدِين الله وعَهْدِه بحَال المعْتَمِد على حبْل قويٍّ يمنَعُه مِن السُّقوط.

(٤) مجازِ مرکب، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ﴾ خَبرٌ استعمِلت للإنشَاء، لأنَّه يلزَم مِن إخبارِها بوضْع الأنثىٰ أنّها حَزيْنة.

(٥) مجازِ عقلی، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ﴾، أي: فمَا ربِحُوا في تجارَتهم، وإنَّما نسِب الرِّبْح إلى التِّجارة، لأنَّ الربْح يتعلَّق بالتِّجارة.

وتعلق) ہو، جیسے: ﴿يَجۡعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمۡ فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ ٱلصَّوَٰعِقِ﴾ [1] [البقرة:١٩]

## مجازِ مرسل کے علاقے

مجازِ مرسل کے علاقے بہت سارے ہیں، کچھ مندرجۂ ذیل ہیں:

السَّبَبِيَّة، المسَبَّبِيَّة، الجُزْئِيَّة، الكُلِّيَّةُ، المَحَلِّيَّة، الحَالِّيَّة، اعْتِبَارُ مَا كَانَ، اعْتِبَار مَايَكُوْن.

① **سببیت**: سبب بول کر مسبب مراد لینا، یعنی: لفظِ مذکور کا معنیٔ موضوع لہٗ معنیٔ مرادی کا سبب ہو۔ اِس علاقے والا مجاز عربی عبارات میں بہ کثرت مستعمل ہے، جیسے: ﴿فَمَنِ ٱعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡ فَـ«ٱعۡتَدُواْ» عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا ٱعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡۚ﴾ [2] [البقرة:١٩٤].

② **مسبَّبِیّت**: مسبب کو ذکر کرکے سبب مراد لیا جائے اِس طور پر کہ لفظِ مذکور کا معنیٔ اصلی مسبب ہو معنیٔ مرادی (سبب) کا، جیسے: ﴿هُوَ ٱلَّذِي يُرِيكُمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ «رِزۡقٗاۚ» وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن

---

① وہ لوگ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں (پوروِیں ٹھونستے ہیں)۔ یہاں اصابع سے انامل مراد ہیں؛ اِس کا قرینہ یہ ہے کہ: اصابع کو کانوں میں نہیں ٹھونسا جا سکتا؛ لہٰذا اصابع (کل) بول کر انامل (جزو) مراد لینا مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے، جن کے درمیان تشبیہ کے علاوہ ''کلیت وجزئیت'' کا بھی تعلق ہے۔

② یہاں اعتداء تین جگہ مستعمل ہے، جن میں اول وثالث اپنے حقیقی معنیٰ (ظلم وزیادتی کرنا) میں مستعمل ہیں، اور اعتداء ثانی مجازی معنیٰ (ظلم وزیادتی کا جزاء وقصاص لینا) میں مستعمل ہے؛ کیوں کہ ظلم کے مناسب بدلہ لینا ظلم نہیں ہوا کرتا (قرینہ)؛ چوں کہ لفظ مذکور کا معنیٔ حقیقی (اعتداء) معنیٔ مجازی (جزاء وقصاص) کا سبب ہے؛ لہٰذا یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے؛ اور علاقہ سببیت کا ہے۔

يُنِيبُ ﴿١٣﴾ ﴾[1] [غافر:١٣].

③ **جزئِیَّت:** یعنی جزء بول کر کل مراد لینا، جیسے: ﴿وَيَبْقَىٰ «وَجْهُ» رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾[2] [الرحمٰن].

④ **کلِّیَّت:** کل کے لفظ سے جزء مراد لینا، جیسے: ﴿يَجْعَلُونَ «أَصَٰبِعَهُمْ» فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ ٱلصَّوَٰعِقِ حَذَرَ ٱلْمَوْتِ﴾[3] [البقرة: ١٩].

⑤ **مَحلِّیَّت:** محل بول کر اُس میں قرار پکڑنے والی چیز (حالّ) مراد لینا، جیسے: ﴿وَسْـَٔلِ «ٱلْقَرْيَةَ» ٱلَّتِي كُنَّا فِيهَا وَٱلْعِيرَ ٱلَّتِيٓ أَقْبَلْنَا فِيهَا﴾[4] [یوسف:٨٣].

⑥ **حَالِّیَّتْ:** حال (کسی محل میں قرار پکڑنے والی چیز) بول کر اُس کے محل اور مکان کو مراد لینا، جیسے: ﴿وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي «رَحْمَةِ ٱللَّهِ»﴾ أي: فَفِي الجَنَّةِ، [آل عمران:١٠٧]؛ ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ «زِينَتَكُمْ»

---

① آسمان سے اتاری جانے والی چیز تو ماء (پانی) ہی ہے جو رزق کا سبب ہوا کرتا ہے؛ چناں چہ یہاں لفظِ مذکور یعنی رزق (مسبب) بول کر معنیٔ مرادی یعنی پانی (سبب) کو مراد لیا گیا ہے، اور علاقہ مسببیت کا ہے۔

② اِس آیت میں ''وجہ'' بول کر ذاتِ پروردگار مراد لیا ہے۔

③ اِس آیت میں کل ﴿أَصَٰبِعَ﴾ بول کر جزء (أنامِلَ) مراد لیا گیا ہے، اور اِس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ: منافقین موسلا دھار بارش اور سخت کڑک اور بجلی سے، مارے خوف و پریشانی کے اپنے پوروں کو غیر معتاد طریقے پر کانوں میں ٹھونستے تھے، گویا پوری انگلیاں ہی کان میں ٹھوس دیں گے۔ (علم البیان)

④ ﴿ٱلْقَرْيَةَ﴾ محل بول کر اُس میں رہنے والے اہل قریہ (حال) مراد ہے۔

عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ﴾[1] [الأعراف:۳۱].

⑦ **اعتبارِ ما کان:** کسی چیز کو اُس کے سابقہ زمانے (زمانۂ ماضی) کے نام سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّهُۥ مَن يَأۡتِ رَبَّهُۥ «مُجۡرِمٗا» فَإِنَّ لَهُۥ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحۡيَىٰ ۝٧٤﴾ [طٰه] ﴿وَءَاتُواْ ٱلۡيَتَٰمَىٰٓ أَمۡوَٰلَهُمۡۖ﴾[2] [النساء:۲].

⑧ **اعتبارِ مایکون:** کسی چیز کو موجودہ حالت میں اُس کے مستقبل میں لگنے والے نام سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿فَبَشَّرۡنَٰهُ بِغُلَٰمٍ حَلِيمٖ ۝١٠١﴾[3] [الصّٰفّٰت] ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَعۡصِرُ خَمۡرٗاۖ﴾ [يوسف:۳٦].

ملاحظہ: مجازِ مرسل کے مزید علاقے اور ایک نہایت مفید فائدہ ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

① پہلی آیت میں ﴿رَحۡمَةِ﴾ بول کر جنت مراد لی ہے، اور رحمت حالّ ہے، جنت محل ہے۔ اور دوسری آیت میں ﴿زِينَة﴾ سے لباس اور وہ چیزیں مراد ہیں جن سے لوگ زینت اختیار کرتے ہیں، اور زینت لباس میں قرار لیے ہوتی ہے، گویا حال بول کر محل مراد لیا ہے؛ اور مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ: بذاتِ خود زینت ایسی چیز نہیں جسے اختیار کیا جا سکے۔ (علم البیان)

② جو آدمی روزِ جزا کو جرم کرنے کی حالت میں پروردگار کے رُوبرو حاضر ہوگا اُس کے لیے جہنم ہے؛ دیکھیے! مرنے کے بعد جرم یا اطاعت کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا (قرینہ) پھر بھی بہ روزِ جزا حاضر ہونے والے شخص کو آج روزِ محشر لفظِ مجرم سے تعبیر کرنا ما کان (دنیا) کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔

③ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے بچے کی بشارت دی جو مستقبل میں حلیم ثابت ہوگا؛ کیوں کہ بچہ پیدائش کے وقت یا پیدا ہونے سے پہلے تو حلیم نہیں ہوتا (قرینہ)؛ بلکہ بڑا ہونے کے بعد صفتِ حلم سے متصف ہوتا ہے، اب مولودِ حلیم پر رجلِ حلیم کا اطلاق کرنا ما یکون کے اعتبار سے ہے۔

# فصلِ ثالث: در استعارہ

مجازِ مفرد کی دوسری قسم ''استعارہ'' ہے۔

**اِسْتِعارہ:** وہ مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کو اپنے معنیٔ حقیقی کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہو مشابہت کے تعلّق (مناسبت) کی وجہ سے، کسی ایسے قرینے کے ساتھ جو لفظ کا معنیٔ حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ ٱلنَّاسَ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ﴾ [إبراهيم:١]، أي: منَ الضَّلالاتِ إلى الإيْمان(١).

---

(١) ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے تاکہ تُو لوگوں کو اندھیروں (گمراہیوں) سے اُجالے (نور) کی طرف نکالے۔ دیکھیے! یہاں ظلمت ونور کا معنیٔ حقیقی تاریکی وروشنی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ ''کتاب'' سورج اور چَراغ کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں جو مضیٔ (اُجالہ کرنے والی) ہو؛ یہ قرینہ ہے کہ یہاں ظلمات (اندھیریاں) بول کر ضلالات (گمراہیاں) مراد لی گئی ہیں۔ جس طرح ضلالات میں عدمِ اہتداء ہے ظلمات میں بھی عدمِ اہتداء ہے، گویا معنیٔ ضلالات کو عدمِ اہتداء میں معنیٔ ظلمات سے تشبیہ دی ہے، اور اِسی طرح ایمان کو نور کے ساتھ اہتداء میں تشبیہ دی ہے۔ (علم البیان)

معلوم ہونا چاہیے کہ: جملے کے جس لفظ میں استعارہ جاری ہوگا وہاں ایک قرینہ (لفظیہ یا حالیہ) ضرور ہوگا جو ہمیں لفظ کے حقیقی معنیٰ مراد لینے سے روکتا ہوگا، جیسے مثالِ مذکور ﴿كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ ٱلنَّاسَ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ﴾ میں قرینہ یہ ہے کہ: کتاب، سورج وچاند کی طرح کوئی اُجالا کرنے والی شیٔ تو ہے نہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ لفظ «ظُلُمَات» اور لفظ «نُوْرٌ» اپنے حقیقی معانی یعنی معنیٔ ظلمات اور معنیٔ نور میں مستعمل نہیں؛ بلکہ لفظ ''ظلمات'' بول کر معنیٔ ضلالات، اور لفظ ''نور'' بول کر معنیٔ ایمان مراد لیا گیا ہے۔

# ارکانِ استعارہ وطریقۂ اِجراء

استعارہ کے چار ارکان ہیں: مستعارلہٗ، مستعار منہ،لفظِ مستعار، وجہِ جامع۔

**مُسْتَعار:** مشبہ بہ پر دلالت کرنے والا وہ لفظ ہے جس کو مشبہ کے لیے عاریت کےطور پرلیا گیا ہو، جیسے: مثالِ مذکور میں لفظِ ''ظلمات''۔

**مُسْتَعار لہ:** وہ معنیٔ مشبہ ہے جس پر دلالت کرنے کے لیے کسی لفظ کو مستعار لیا گیا ہو، جیسے مثالِ مذکور میں معنیٔ ضلالات پر دلالت کرنے کے لیے لفظِ ''ضلالت'' کو مستعار لیا گیا ہے؛ لہٰذا معنیٔ ضلالات، مشبہ ومستعار لہٗ ہوگا۔

**مُسْتَعار منہ:** وہ معنیٔ مشبہ بہ ہے جس پر دلالت کرنے والے الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کو مستعار لیا گیا ہو، جیسے: ہماری مثال میں معنیٔ ظلمات پر دلالت کرنے والے لفظ (ظلمات) کو مستعار لیا گیا ہے۔

**وجہِ جامع:** معنیٔ مشبہ اور معنیٔ مشبہ بہ کے درمیان کی مشابہت کا علاقہ، جیسے مثالِ مذکور میں اہتداء، جس کو تشبیہ میں وجہِ شبہ سے تعبیر کرتے ہیں [1]۔

## فصلِ رابع: در تقسیماتِ استعارہ

### تقسیمِ اوّل: استعارۂ تصریحیہ ومکنیہ

مستعار منہ (مشبہ بہ) کے ذکر وعدمِ ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں

---

(۱) یاد رہے کہ استعارہ اِصالتاً تو معانی میں جاری ہوتا ہے، جیسا کہ مثال سے تفصیلاً معلوم ہو چکا؛ لیکن اجرائے استعارہ کے موقع پر عموماً یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ: ضلالات کو ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ہیں: تصریحیہ، مکنیہ۔

① **استعارہ تَصْرِیْحِیَّہ :** وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کی صراحت کی گئی ہو اور مستعارلہ (مشبہ ) کو حذف کر دیا ہو، جیسے: ﴿كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ ٱلنَّاسَ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ﴾(1) [إبراهيم:١]

② **اِستِعارہ مَکْنِیَّہ :** وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کو حذف کر دیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازمات میں سے کسی لازم کے ذریعے اُس کی طرف اشارہ کر دیا ہو، جیسے: ﴿وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ﴾(2) [الإسراء: ٢٤].

## تقسیمِ ثانی: استعارۂ اصلیہ وتبعیہ

لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: استعارۂ اصلیہ، استعارۂ تبعیہ۔

① **استعارہ اَصلِیّہ :** وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار (جس میں

---

① یہ کتاب اندھیریوں سے نور کی طرف یعنی گمراہیوں سے ایمان کی طرف نکالنے والی ہے؛ یہاں مستعارلہ (مشبہ ) ضلالات اور ایمان ہیں جو مذکور نہیں، اور مستعار منہ (مشبہ بہ) ظلمات اور نور ہیں جو مذکور ہیں؛ لہٰذا یہ استعارۂ تصریحیہ ہے اور لفظ مستعار اسمِ جنس ہے؛ لہٰذا یہ استعارہ اصلیہ ہے۔

② تُو والدین کے آگے نیازمندی سے عاجزی کے بازو جھکا دے!۔ دیکھیے! ذلت وعاجزی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بازو اور پَر ہو (قرینہ)؛ یہاں باری تعالیٰ نے ذلت وعاجزی کو پرندے سے تشبیہ دی، پھر پرندے کو حذف کر کے اُس کے لازم ﴿جَنَاحَ﴾ بازو کے ذریعہ مشبہ بہ کی جانب اشارہ کر دیا؛ یہاں ﴿ذُلّ﴾ مشبہ کو ذکر کیا ہے اور "طائر" مشبہ بہ محذوف ہے؛ لہٰذا یہ استعارۂ مکنیہ ہوا۔

استعارہ جاری ہوا ہے) کوئی ایسا اسمِ جنس ہو جو ایک غیر معین فرد پر دلالت کرتا ہو؛ جیسے: ﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾[۱] [البقرہ:۱۰]، أي: نِفَاقٌ.

**② استعارہ تَبْعِیّہ:** وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار فعل ہو یا اسمِ مشتق یا حرف ہو، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾[۲] [طٰہٰ:۷۱]؛ أي: علیٰ جُذُوْع النَّخْل.

---

① اِس آیت میں نفاق کا معنیٰ مشبہ اور مستعار لہٗ ہے، مرض کا معنیٰ مشبہ بہ اور مستعار منہ ہے اور لفظ (مرض) مستعار ہے؛ اور وجہِ جامع افساد ہے۔ یہاں نفاق کے لیے مرضِ جسمانی کو مستعار لیا گیا ہے اِس وجہِ جامع کی وجہ سے کہ دونوں ہی چیزیں بگاڑ پیدا کرتی ہیں، مرض جسموں کو اور نفاق دلوں کو خراب کر دیتا ہے؛ اور آیت میں مرضِ جسمانی مراد لینے سے قرینۂ مانعہ یہ ہے کہ: مذکورہ آیتِ کریمہ اُن منافقین کی برائی بیان کرنے کے لیے اتاری گئی ہے جو دلوں میں کفر چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں؛ پس اُن کے مرضِ جسمانی کو بیان کرنا اُن کی بری خصلت نہ ہوئی؛ بلکہ دلوں کے فساد کو بیان کرنا بری خصلت ہوگی۔

(علم البیان)

استعارۂ اصلیہ کو "اصلیہ" اِس لیے کہتے ہیں کہ وہ براہِ راست اسمِ جنس، اسمِ عین اور مصدر میں جاری ہوتا ہے؛ برخلاف استعارۂ تبعیہ کے۔

② اخیری مثال میں استعارہ اِس طرح جاری کریں گے کہ: استعلاء کو ظرفیت سے تشبیہ دی گئی ہے "تمکُّن" یعنی: قرار پکڑنے کی جامعیت کی وجہ سے؛ پھر یہ تشبیہ اُن کلی معنوں (استعلاء وظرفیت) سے متجاوز ہوئی: چناں چہ مشبہ بہ (ظرفیت) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف "فی") کو مشبہ (استعلاء) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف "علی") کے لیے مستعار لیا گیا، یہاں لفظ مستعار حرف "فی" ہے؛ لٰہذا استعارۂ تبعیہ ہوا۔

ملحوظہ: اِس استعارہ کو "تبعیہ" اس لیے کہتے ہیں کہ فعل وحرف میں جاری ہونے والا استعارہ اوّلاً مصدر اور معنیٔ حرف میں جاری ہوگا، پھر تبعاً دو فعلوں اور دو حرفوں میں جاری ہوگا؛ مثلاً: مِن برائے ابتدا، اِلیٰ برائے انتہا اور رُب برائے تقلیل میں استعارہ جاری ہوگا، اِس کے بعد تبعاً حروف میں جاری ہوگا۔

# تقسیمِ ثالث: استعارۂ مرشحہ، مجردہ، مطلقہ

ملائمِ مشبہ ومشبہ بہ کے ذکر وعدمِ ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسمیں ہیں: مرشحہ، مجردہ، مطلقہ۔

① **استعارہ مُرَشَّحَہ**: وہ استعارہ ہے جس میں -قرینے کے ذریعے استعارہ کے تام ہو جانے کے بعد- مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ملائم ومناسب مذکور ہو، جیسے: ﴿أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ «ٱشْتَرَوُاْ» ٱلضَّلَـٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَـٰرَتُهُمْ﴾(۱) [البقرة:١٦].

② **استعارہ مُجَرَّدَہ**: وہ استعارہ ہے جس میں -قرینے کے ساتھ استعارہ کے تام ہو جانے کے بعد- مستعار لہ (مشبہ) کا ملائم مذکور ہو، جیسے: ﴿فَأَذَٰقَهَا ٱللَّهُ «لِبَاسَ» ٱلْجُوعِ وَٱلْخَوْفِ﴾(۲) [النحل:١١٢].

---

(۱) یہاں ﴿اشْتَرَوُا﴾ «اختاروا» کے معنیٰ میں ہے؛ چناں چہ اختیار کو اشتراء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے استبدال کی جامعیت کی وجہ سے، اور قرینہ ﴿ضَلٰلَة﴾ ہے؛ کیوں کہ ضلالت کوئی ایسی چیز نہیں جس کی خرید وفروخت ہو سکے، جب استعارہ اپنے قرینے کے ساتھ مکمل ہو گیا پھر ہم نے عبارت میں ﴿رَبِحَت تِّجَـٰرَتُهُمْ﴾ کو پایا جو اشتراء (مشبہ بہ) کے ملائمات ومناسبات میں سے ہے؛ لہٰذا یہ استعارہ "مرشحہ" کہلائے گا، اور ﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ میں ترشیح ہے۔

(۲) اللہ پاک نے اُن کے پاس بھوک اور خوف کے لباس (مصائب) پہنچائے۔ دیکھیے! یہاں بستی والوں کو پہنچنے والے مصائب وحوادثات کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور قرینہ ﴿لِبَاسَ﴾ کی اضافت ﴿ٱلْجُوعِ وَٱلْخَوْفِ﴾ کی طرف کرنا ہے؛ کیوں کہ بھوک اور خوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا لباس ہو، ہاں! بھوک اور خوف کے مصائب نے اِنھیں لباس کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیا تھا؛ یہ استعارہ مکمل =

**③ استعارہ مُطْلَقَہ:** وہ استعارہ ہے جس میں نہ مستعارلہٗ (مشبہ) کا ملائم ہو اور نہ ہی مستعارمنہ (مشبہ بہ) کا، جیسے: ﴿يَنقُضُونَ عَهْدَ ٱللَّهِ﴾[1] [البقرۃ:۲۷]

**استعارہ مُوَشَّحَہ:** وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کے مناسبات مذکور ہوں، جیسے:

لَدیٰ أَسَدٍ شَاكِيْ السِّلاحِ مُقَذَّفٍ ۞ لَه لِبَدٌ أَظْفَارُه لَمْ تُقْلَمْ[2]

---

= ہوا، اور «إذاقة» بہ معنیٰ: إصابة یہ مشبہ (مستعارلہ) یعنی مصائب کے ملائمات میں سے ہے نہ کہ لباس کے ملائمات میں سے۔ (علم المعانی)

فائدہ: تجرید یعنی ملائمِ مشبہ اور ترشیح یعنی ملائم مشبہ بہ کا اعتبار تب ہوگا جب کہ استعارہ قرینہ کے ذریعے تام ہو جائے؛ لہٰذا استعارۂ تصریحیہ (جس میں مشبہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو تجرید میں شمار نہیں کیا جائے گا، اِسی طرح استعارۂ مکنیہ (جس میں مشبہ بہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو ترشیح میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

① یہاں کفار، اللہ کے عہد (ایمان باللہ، تصدیق بالرسل اور عمل بالشرائع) کو توڑتے ہیں؛ حالاں کہ اللہ کا عہد کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو توڑا جائے؛ کیوں کہ وہ ایک معنوی شئ ہے، پس ''عہد اللہ'' یہ قرینہ ہے کہ ﴿يَنْقُضُوْنَ﴾ «يُبْطِلُوْن» کے معنیٰ میں ہے، چناں چہ یہاں ابطالِ عہد مشبہ (مستعارلہ) ہے اور فَكُّ طَاقَاتِ الحَبْل، رسی کے دھاگوں کو کھولنا مشبہ بہ (مستعارمنہ) ہے، جامع: عدمِ نفع ہے؛ اور دونوں کا کوئی ملائم مذکور نہیں۔

② مَیں ایک ایسے شیر کے پاس ہوں جو ہتھیاروں سے لیس ہے اور جنگ کے میدانوں میں پھینکا جاتا ہے؛ لَه لِبَدٌ أَظْفَارُهُ لَمْ تُقْلَمْ؛ اس کی گردن پر بال ہیں اور اس کے ناخن کٹے ہوئے نہیں ہیں۔ یہاں مشبہ (رجلِ شجاع) کا ملائم «أَظْفَارُه لَمْ تُقْلَمْ» اور مشبہ بہ (شیر) کا ملائم «لَه لِبَدٌ» مذکور ہیں۔

# فصلِ خامس: مجازِ مرسل مرکب، استعارۂ تمثیلیہ

مجازِ مرکب کی دو قسمیں ہیں: مجازِ مرسل مرکب، استعارۂ تمثیلیہ۔

① **مجاز مُرسَل مُرَکب:** وہ مجاز مرکب ہے جس میں ایک جملہ کو مشابہت کے علاقے کے علاوہ (سببیت، مسببیت وغیرہ) کسی اَور علاقے کی وجہ سے ما وضع لہٗ کے علاوہ دوسرے معنیٰ میں استعمال کرنا کسی ایسے قرینے کی وجہ سے جو معنیٰ موضوع لہٗ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلۡعَظۡمُ مِنِّي وَٱشۡتَعَلَ ٱلرَّأۡسُ شَيۡبٗا﴾[۱] [مریم:٤]

② **اِسْتعارہ تَمْثِیْلِیّہ:** وہ مجازِ مرکب ہے جس میں ایک جملہ تشبیہ کے علاقے کی وجہ سے اپنے معنیٰ موضوع لہٗ کے علاوہ دوسرے معنیٰ میں مستعمل ہو، کسی ایسے قرینہ کے ساتھ جو معنیٰ موضوع لہٗ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيۡنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ﴾[۲] [الحجرات:١].

---

① حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الٰہی! سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگی ہیں، بہ ظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ یہ خبر اپنی غرض حقیقی (فائدۃ الخبر یا لازمِ فائدۃ الخبر) کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ اِس سے مقصود اظہارِ ضعف ہے، اور قرینہ مقامِ خطاب ہے کہ باری تعالیٰ سے خطاب ہے جس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ (علم البیان)

ملحوظہ: جملۂ خبریہ کو انشائی معنیٰ (اغراضِ مجازیہ) کے لیے استعمال کرنا، اِسی طرح جملۂ انشائیہ کو اِخباری معنیٰ (مجازی معنیٰ) کے لیے استعمال کرنا بھی مجازِ مرکب مرسل کے قبیل سے ہے۔ (علم البیان ملخصًا)

② جس معاملے میں حکمِ الٰہی ملنے کی توقع ہو وہاں پہلے ہی سے آگے بڑھ کر اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو، دیکھیے! یہاں المُتَعَجِّل بِالحُکْمِ قَبْلَ إِذْنِ اللّٰہِ بِہٖ کو تشبیہ دی ہے (یعنی مثال بیان کی ہے) =

ملحوظہ: عربوں سے منقول، لوگوں میں مشہور امثال بھی استعارۂ تمثیلیہ کے قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ یہ بات مسلّم ہے کہ: اَمثال میں تغیر نہیں کیا جا سکتا؛ لہٰذا ہر کہاوت کو بغیر تغیر وتبدل کے اُن ہی الفاظ میں بولا جائے گا جن میں اوّل بار وہ استعمال ہوئی تھی(۱)۔

=اُس آدمی کی حالت سے جو المُتَقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْ مَتْبُوْعِه حِيْن المَشْي یعنی ''تابع کے چلتے ہوئے اپنے متبوع کے آگے بڑھ جانے والے'' سے، اور دونوں میں جامع ''عدمِ متابعت'' ہے۔

(۱) خلاصۂ کلام: اَمثال درحقیقت استعارۂ تمثیلیہ ہی ہیں، جیسے: إنَّكَ لا تَجْنِيْ مِنَ الشَّوْكِ العِنَبَ؛ قَطَعَتْ جَهِيْزَةُ قَوْلَ كُلِّ خَطِيْبٍ؛ ﴿وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]

# فصلِ سادس: مجازِ عقلی

مجاز کی دوسری قسم ''مجازِ عقلی'' ہے۔ مجازِ لغوی (مجازِ مفرد، مجازِ مرکب) کا مجاز لفظ میں جاری ہوتا ہے؛ جب کہ مجازِ عقلی کا مجاز اسناد میں ہوتا ہے۔

اسناد کی دو قسمیں ہیں: ① اسنادِ حقیقی (حقیقتِ عقلیہ) ② اسنادِ مجازی (مجازِ عقلی)۔

① **حقیقتِ عقلیّہ:** فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت ما ھولہ، یعنی اُس چیز کی طرف کرنا جس کے لیے فعل یا معنیٔ فعل ثابت ہے؛ بہ شرطے کہ وہ نسبت متکلم کے اعتقاد میں ثابت ہو اور اُس کی ظاہری حالت کے موافق ہو، جیسے: ﴿قُلِ ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلْمُلْكِ تُؤْتِي ٱلْمُلْكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلْمُلْكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ﴾[1] [اٰل عمران:٢٦]

② **مجازعقلیّہ:** وہ مجاز ہے جس میں فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت -کسی علاقے کی وجہ سے- ما ھولہ کے علاوہ ایسے مُلابس ومتعلق کی طرف کرنا جن (ما ھولہ اور غیر ما ھولہ) میں باہم کوئی مناسَبت بھی ہو اور ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ[2] بھی ہو جو حقیقی

---

① مذکورہ آیت میں ﴿تُؤْتِي - تَنزِعُ - تُعِزُّ - تُذِلُّ﴾ کی نسبت فاعلِ حقیقی یعنی اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت ما ھولہ کی طرف ہے یا غیر ما ھولہ کی طرف؟ اِس کی تعیین متکلم کی ظاہری حالت سے ہوتی ہے، اِسی وجہ سے دہریوں کا یہ قول: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا ٱلدَّهْرُ﴾ [الجاثية:٢٤] حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہوگا، نہ کہ مجازِ عقلی کے قبیل سے۔

② قرینہ: وہ (لفظی یا معنوی) امر ہے جس کو متکلم معنیٔ غیر موضوع لہٗ کے مراد لینے پر دلیل بناتا ہے۔

نسبت مراد لینے سے مانع بھی ہو، جیسے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ، «فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ» وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾[1] [البقرة].

## مجازِ عقلی کے علاقے

مجازِ عقلی میں فعل یا معنیٔ فعل اور غیر ماھولہ کے درمیان کسی نہ کسی علاقے اور ملابس کا ہونا ضروری ہے۔

مجازِ عقلی کے علاقوں اور ملابسوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہیں، مشہور اُن میں سے یہ ہیں:

① ملابست بین الفعل ومفعولہ ② ملابست بین الفعل وفاعلہ ③ ملابست بین الفعل ومصدرہ ④ زمانیت ⑤ مکانیت ⑥ سببیت ⑦ اسناد الفعل الی الجنس۔

① **ملابست بین الفعل ومفعولہ:** مبنی للفاعل (فاعل کا تقاضا کرنے والے فعل یا معنیٔ فعل) کی اسناد، بجائے فاعلِ حقیقی[2] کے اُس کے مفعول کی

---

① اِس آیت میں نفع حاصل کرنے کی نسبت، تجارت کی طرف کی گئی ہے، حالاں کہ نفع حاصل کرنے والا تو تاجر ہے نہ کہ تجارت؛ اِس نسبت کو ''اسنادِ مجازی'' یا ''مجازِ عقلی'' کہتے ہیں۔(علم المعانی بزیادۃ)

ملحوظہ: تعریف میں قرینہ کو لفظ ''مانع'' سے مقید کرنے میں ''کنایہ'' سے احتراز مقصود ہے؛ کیوں کہ کنایہ میں معنیٔ اصلی مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ نہیں ہوتا، جب کہ مجاز میں وہ قرینہ مانع ہوتا ہے؛ اور یہی مجاز اور کنایہ کے درمیان فرق ہے۔(علم البیان)

② فائدہ: اسنادِ حقیقی کی تین قسمیں ہیں:

(ا) فاعل سے حقیقتاً فعل یا معنیٔ فعل کا سرزد ہونا مراد ہو، یعنی: اثر چھوڑنا، جیسے: خلق اللہ، رزق وأعطی، وأحیا وأمات، اللہ نے پیدا کیا، روزی عطا کی، وغیرہ۔ دیکھیے! اِن مثالوں میں پیدا کرنا اور=

طرف کرنا، (اِسی کو علاقۂ ''مفعولیت'' بھی کہتے ہیں)، جیسے: ﴿فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧﴾[1] [القارعة].

② **ملابست بین الفعل وفاعله :** مبنی للمفعول (مفعول کا تقاضہ کرنے والے فعل یا معنیٔ فعل) کی اسناد بہ جائے اپنے مفعول (حقیقی) کے فاعل کی طرف کرنا، (اِسی کو علاقۂ ''فاعلیت'' بھی کہتے ہیں)، جیسے: ﴿وَإِذَا ٱلْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩﴾[2] [التكوير].

---

=رزق دینا فاعلِ حقیقی کا اثر ہے۔

ملحوظہ: اسنادِ حقیقی کی یہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) فاعل سے حکمًا فعل یا معنیٔ فعل کا سرزد ہونا، جیسے: قام زيد وذهب عمرو، زید کھڑا ہوا، عمرو گیا، وغیرہ۔ دیکھیے! یہاں قیام وقعود اللہ کے حکم اور اُس کی تاثیر کی بنا پر زید وعمرو سے وجود میں آیا ہے، اِس طور پر کہ اُن کے وجود میں زید وعمرو کے کسب کا دخل ہے۔

(۳) فاعل سے فعل یا معنیٔ فعل کا محض اتصاف ہو، جیسے: مرض زيد، وبرد الماء، زید بیمار ہوا، پانی ٹھنڈا ہو گیا۔ دیکھیے! یہاں بیماری اور ٹھنڈک کا زید اور پانی سے محض اتصاف ہے۔ (علم المعانی)

الحاصل: فاعلِ حکمی اور فاعل اتصافی کی صورتیں بھی اسنادِ حقیقی میں داخل ہیں۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ: اِن مواقع میں فاعل اور مفعول سے ترکیبِ نحوی والا فاعل ومفعول مراد نہیں ہے؛ بلکہ مَابِهِ الفِعْلُ سے ادنیٰ تعلق رکھنے والے کو ''فاعل'' اور مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الفِعْلُ سے تلبُّس رکھنے والے کو ''مفعول'' کہہ لیتے ہیں۔

① فائدہ: جن کے اعمال وزنی ہوں گے وہ روزِ قیامت خاطر خواہ عیش وآرام میں رہے گا، ﴿فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧﴾، أيْ: ذَاتَ رِضًا علَى النِّسْبَة، أوْ جعَل الفِعْل لَها مَجَازا. (البيضاوي)

② یہاں بتلایا گیا کہ موؤدۃ وائد سے سوال کرے گی کہ: اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اِس جگہ مفعول کا تقاضا کرنے والے ﴿سُئِلَتْ﴾ کا ماحولہ (نائب فاعل) تو وائد ہے اور وہی مسئول بھی ہوگا؛ لیکن وائد کی طرف ﴿سُئِلَ﴾ کی نسبت یعنی: «وإذا الوائدُ سئل» کہنے کے بہ جائے موءودۃ کی طرف نسبت کرکے=

③ **ملابست بین الفعل ومصدرہ:** مبنی للفاعل (فاعل کا تقاضہ کرنے والے) فعل کی نسبت - بہ جائے فاعلِ حقیقی کے - مصدر کی طرف کرنا، جیسے: جَدَّ جِدُّہ؛ غَضِبَ غَضْبُہُ(۱).

④ **زمانِیَّت:** مبنیٰ للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت اُس کے زمانے کی طرف کرنا، جیسے: ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا «يَجْعَلُ» ٱلْوِلْدَٰنَ شِيبًا ﴿١٧﴾﴾ [المزمل] ﴿هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ «مُبْصِرًا»﴾(۲) [یونس:٦٧].

⑤ **مکانِیَّت:** مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت - بہ جائے فاعلِ حقیقی کے - اُس کے مکان کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا﴾(۳) [التوبة:٧٢].

---

= ﴿وَإِذَا ٱلْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ﴾ کہا گیا ہے؛ تاکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے کو دھمکانے میں کمالِ مبالغہ ہو، کہ جب موءودہ سے پوچھے جانے کا ذکر ہے تو وائد سے تو بہ طریقۂ اولیٰ پوچھا جائے گا۔

(۱) اُس کی کوشش نے کوشش کی یعنی: اُس کی کوشش کامیاب ہوگئی۔ دوسری مثال: اُس کا غصہ غصہ میں آ گیا، یعنی: وہ غصہ میں بھڑک اُٹھا۔

(۲) آیتِ اولیٰ: ''بنادے گا وہ (دن) بچوں کو بوڑھا''؛ یہاں ﴿يَجْعَلُ﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت یوم (زمانہ) کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو بوڑھا بنادے گا اُس دن (زمانہ) میں؛ نہ کہ خود وہ دن بوڑھا بنائے گا، یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔

آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿مُبْصِرًا﴾ اسم فاعل کی نسبت ﴿ٱلنَّهَارَ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا؛ بلکہ لوگ دن (زمانہ) میں دیکھتے ہیں؛ یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔(علم المعانی) =

⑥ **سَبَبِیَّت:** مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت (بہ جائے فاعل کے) اُس کے سبب کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ «تَنفَعُ» ٱلْمُؤْمِنِينَ﴾[1] [الذاریات].

⑦ **اِسناد الفعل الی الجنس:** فعل کی اسناد پوری جنس کی طرف کرنا؛ حالاں کہ فاعل بعض لوگ ہی ہوں، جیسے: ﴿فَعَقَرُوا۟ ٱلنَّاقَةَ وَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ﴾[2] [الأعراف:۷۷]

---

=③ یہاں ﴿تَجْرِى﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت ﴿ٱلْأَنْهَٰرُ﴾ کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ انہار (وہ جگہیں جن میں پانی بہتا ہو) جاری نہیں ہوتیں؛ بلکہ اُس میں موجود پانی جاری ہوتا ہے۔(علم المعانی)

① «أي: ينفع الله بسبب الذكرىٰ المؤمنين»، یہاں ﴿تَنفَعُ﴾ فعل کی نسبت ﴿ٱلذِّكْرَىٰ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ نفع دینے والے اللہ عز وجل ہیں جو نصیحت کے سبب نفع دیتے ہیں۔

② قوم صالح -یعنی: اُس قوم کے ایک بد بخت ''قدار''- نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہٗ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگا۔ یہاں «عَقَرَ» فعل -اونٹنی کے قتل- کی نسبت بہ جائے ایک فرد کے جمع کی ضمیر (پوری جنس) کی طرف کرنا مجازاً ہے۔

# بابِ ثالث

## فصلِ اوّل: در کنایہ

معنیٔ مرادی کی تعبیر کے تین طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے آخری طریقہ کنایہ ہے[1]۔

**کِنَایَہ:** وہ لفظ ہے جس کو بول کر اُس کے معنیٔ موضوع لہ کے لازم کو مراد لیا گیا ہو، معنیٔ موضوع لہ کو مراد لینے کے جواز کے ساتھ، جیسے: ﴿وَيَوْمَ «يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ» يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ۝٢٧﴾[2] [الفرقان].

---

(۱) صریح وہ ظاہری معنیٰ ہے جو لفظ بولتے وقت سمجھ میں آئے؛ یہ صریحی معنیٰ حقیقت میں بھی ہوتا ہے اور مجاز میں بھی؛ اِس کے مقابل کو ''کنایہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) دیکھیے! یہاں ﴿يَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ﴾ (یعنی: ظالم محشر کے دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا) بول کر اُس جملے کا لازمِ معنیٰ: ''ظالم کا نادم وشرمسار ہونا'' مراد لیا گیا ہے؛ کیوں کہ عادتاً پشیمان آدمی مارے ندامت کے اپنے ہاتھوں (انگلیوں) کو منہ میں ڈال لیتا ہے۔

### مجاز اور کنایہ میں فرق

مجازِ مرسل اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ: مجازِ مرسل میں ایک ایسا قرینہ ہوتا ہے جو لفظ کا معنیٔ اصلی مراد لینے سے مانع بنتا ہے، جیسے: ﴿وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ﴾ میں ہے، جب کہ کنایہ میں اگر چہ لازمِ معنیٰ کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں ظاہری معنیٰ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے، جیسے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ﴾ میں ملاحظہ فرمایا۔

دیکھیے! ﴿وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ﴾ میں ﴿قَرْيَةَ﴾ کی طرف ﴿وَسْـَٔلِ﴾ کی نسبت یہ قرینہ ہے جو قریۃ کا اصلی معنیٰ (بستی سے پوچھ) مراد لینے سے مانع ہے، جب کہ کنایہ میں اگر چہ اصل معنیٰ کے لازم کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں اصلی معنیٰ مراد لیا جا سکتا ہے، جیسے: ﴿يَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ﴾ میں لازمِ معنیٰ یعنی ندامت وحسرت کے علاوہ اصلی معنیٰ یعنی دونوں ہتھیلیوں کو مَلنا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

# فصلِ ثانی: اقسامِ کنایہ

مکنی عنہ اور اُس کے مطلوب کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں: کنایہ عن صفت، کنایہ عن موصوف، کنایہ عن نسبت[۱]۔

① **کنایہ عن صفت**: مکنی عنہ صفتِ قریبہ یا بعیدہ ہو؛ یعنی: کلام میں کسی موصوف کی ایک یا چند ایسی صفات ذکر کرنا جن سے ذہن کسی دوسری صفتِ مقصودہ کی طرف چلا جائے جن کے درمیان باہمی تلازم اور ارتباط ہو، جیسے: فخر اور تکبر سے کنایہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي ٱلْأَرْضِ مَرَحًا﴾ [لقمان:۱۸]؛ نیز اظہارِ ندامت وپشیمانی کے لیے ﴿يَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ﴾ کہنا بھی کنایہ عن صفۃ کے قبیل سے ہے[۲]۔ (علم البیان)

② **کنایہ عن مَوصُوف**: مکنی عنہ موصوف ہو، یعنی: کلام میں ایک یا چند ایسی صفات ذکر کرنا جو کسی خاص موصوف کے ساتھ مخصوص ہوں، اور اُس ایک یا چند صفات کے ذکر کرنے سے وہ مخصوص موصوف مقصود ہو، جیسے: ﴿أَوَمَن يُنَشَّؤُاْ

---

① کنایہ کے ذریعہ کسی موصوف کی کسی صفت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ "کنایہ عن صفت" ہے، اور اگر خود موصوف کو طلب کیا گیا ہو تو وہ "کنایہ عن موصوف" ہے، اور اگر کسی صفت کی کسی موصوف کی جانب ہونے والی نسبت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ "کنایہ عن نسبت" ہے۔

② یعنی تُو لوگوں کی طرف اپنے گال مت پھُلا اور زمین پر اِتراتا مت چل۔ یہاں دو صفتیں: گال پھُلانا اور زمین پر اتراتے چلنا ذکر کریں، اور اِن دو صفتوں سے لازمی طور پر سمجھ میں آنے والی دو صفتوں (تکبر اور فخر) سے کنایہ کیا گیا ہے۔ (علم البیان)

فِي ٱلۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِي ٱلۡخِصَامِ غَيۡرُ مُبِينٖ ﴿١٨﴾[۱] [الزخرف].

**③ کنایہ عن نسبت:** مکنی عنہ نسبت ہو، یعنی: متکلم کسی ذات کی طرف کسی صفت کی ثبوتی یا سلبی نسبت کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اُس (ذات وموصوف) کی طرف صراحتاً اُس صفت کی نسبت کرنے کے بہ جائے ایسی چیز کی طرف نسبت کرتا ہے جو موصوف سے شدید الاتصال اور وثیق الارتباط ہے؛ نتیجۃً اُس صفت کی نسبت معین موصوف کے لیے بھی ثابت ہو جاتی ہے، جیسے: المجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ، وَالكَرَمُ بَيْنَ بُرْدَيْهِ[۲].

**ملحوظہ:** کنایہ سے ملتی جُلتی ایک قسم تعریض بھی ہے:

**تَعْرِيْض:** یہ ہے کہ: متکلم اپنے کلام کو غیر مذکور موصوف کے لیے ثابت کرے؛ مثلاً: خطاب کسی ایک سے ہو اور مراد اُس کا غیر ہو، جس مراد کو سمجھنا سِیاقِ

---

① دیکھیے! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظِ ''بنات'' کی تصریح کو چھوڑ کر ''زیورات میں نشوونُما پانے والی اور بحث ومباحثہ کے وقت قوّتِ بیانیہ نہ رکھنے والی'' بول کر اُس کے لازم معنیٰ ''بنات'' کا کنایہ کیا ہے؛ اور یہ ایسی دو صفات ہیں جو ظاہراً عورت کے ساتھ خاص ہیں؛ یہ کنایہ عن موصوف کی مثال ہے۔ (علم البیان)
اِسی طرح مَجْمَعُ الضِّغْنِ ''کینہ کے جمع ہونے کی جگہ'' سے ''دل'' مراد لینا، اور حَيٌّ مُسْتَوِي الْقَامَةِ عَرِيْضُ الْأَظْفَارِ؛ (زندہ ہے، سیدھے قد والا ہے، چوڑے ناخن والا ہے) سے ''انسان'' کو مراد لینا بھی کنایہ عن موصوف کے قبیل سے ہے۔

② مقامِ مدح میں عرب کہتے ہیں: ''بزرگی اُس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے (یعنی: وہ بزرگ ہے)، اور سخاوت اُس کی دو چادروں کے درمیان ہے''۔ یہاں بزرگی اور سخاوت کی نسبت صراحتاً موصوف کی طرف کرنے کے بہ جائے اُس سے شدید الاتصال چیز (کپڑا اور چادر) کی طرف نسبت کرنا، یہ خود موصوف کی طرف بزرگی اور سخاوت کی نسبت کرنے کا کنایہ ہے۔

کلام پر موقوف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَالِيَ لَآ أَعۡبُدُ ٱلَّذِي فَطَرَنِي﴾ [یٰس: ۲۳]، أي: «مَا لَكُمْ لاَتَعْبُدُوْنَهُ»؛ ﴿لَئِنۡ أَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر:٦٥]؛ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ(۱).

(۱) پہلی مثال میں ایک مردِ صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا، کہ تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اُس کی بندگی نہ کرو؟ اور اِس کا قرینہ ﴿وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ﴾ ہے؛ کیوں کہ اگر اپنی ہی بات ہوتی تو «وإليه أرجع» فرماتے۔ دوسری مثال میں رسول سے خطاب فرما کر لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ: شرک اتنی بُری چیز ہے کہ اس سے تمام کیا کرایا مبہوت ہوجایا کرتا ہے۔ اِسی طرح حدیث پاک کا اپنا ایک معنیٰ ضرور ہے؛ لیکن تکلیف دینے والے کے سامنے یہ حدیث پڑھنے کے وقت یہ تعریض مقصود ہوتی ہے کہ: تجھ میں اسلام کی خوبی نہیں!۔ (علم البیان،الزیادہ)

## اقسامِ کنایہ بہ اعتبارِ وسائط

بہ اعتبارِ وسائط، لوازم اور سیاق کے کنایہ کی چار قسمیں ہیں: ① تلویح ② رمز ③ ایما واشارہ ④ تعریض۔

① تَلْوِیح: لفظ کے معنیٰ حقیقی اور اس کے لازمِ معنیٰ کے درمیان وسائط زیادہ ہوں، جیسے: حدیثِ اُمِ زرع میں نویں عورت نے کہا: زَوْجِيْ رَفِيْعُ العِمَادِ، «عَظِيْمُ الرَّمَادِ»، طَوِيْلُ النِّجَادِ، قَرِيْبُ البَيْتِ مِنَ النَّادِ. میرا شوہر اونچے مکان والا (رفیع الشان)، بڑی راکھ والا (بڑا مہمان نواز)، اور دراز پرتلہ والا (دراز قد) ہے، اُس کا مکان دارالمشورت سے قریب ہے۔ اِس مثال میں تین جگہ کنایہ ہے: ''رفیع العماد'' ایما واشارہ کی مثال ہے؛ ''کثیر الرماد'' تلویح کی مثال ہے؛ ''طویل النجاد'' اِیماء واِشارہ کی مثال ہے۔

دیکھیے! ''رفیع العماد'' سے عورت نے اپنے شوہر کی شرافت اور سرداری کا کنایہ کیا ہے، اور وہ اِس طرح کہ: اونچے ستونوں والا مکان شریف لوگ بنایا کرتے تھے۔

''عظیم الرماد''، زیادہ راکھ والا ہونا اور سخی ہونا؛ اور اِن دونوں کے درمیان مذکورہ وسائط ہیں: چولہے کی راکھ کی کثرت لکڑیوں کے بہ کثرت جلنے کو مستلزم ہے، اور لکڑیوں کا بہ کثرت جلنا روٹیوں اور کھانا پکنے کی کثرت کو مستلزم ہے؛ اور اِن دونوں کی کثرت کھانا کھانے والوں کی کثرت کو مستلزِم ہے، اور کھانا کھانے =

**ملاحظہ: اُسلوبِ کنایہ کے چار فوائد ہیں، تفصیل کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔**

---

= والوں کی کثرت، مہمانوں کی کثرت کو اور مہمانوں کی کثرت سخاوت کو مستلزِم ہے؛ یہ ''تلویح'' ہے۔

''طویل النجاد'' اِس سے دراز قد کا کنایہ اِس طرح ہے کہ: طولِ نجاد طولِ قامت کو مستلزم ہے؛ گویا رفیع العماد سے سرداری کا، عظیم الرماد سے سخاوت کا اور طویل النجاد سے درازیٔ قد کا کنایہ کیا گیا ہے۔

(شمائل ترمذی وخصائل)

② رَمز: یہ ہے کہ کنایہ میں وسائط کم اور مخفی ہوں یا وسائط بالکل ہی نہ ہوں؛ لیکن لازمی معنیٰ مخفی اور غیر واضح ہو، جیسے: هوَ سَمِيْنٌ رِخْوٌ؛ عَمْرٌو أَقْمَر لَيلُه.

مثالِ اول: کسی کو کند ذہن اور کاہل بتلانے کے لیے کہا جاتا ہے: وہ آدمی موٹا ہے اور مالدار ہے، کیوں کہ زیادہ مال دار ہونا مرغن غذاؤں کے کھانے کو مُستلزم ہے، اور مرغن غذاؤں کا کھانا موٹاپے کو مُستلزم ہے، اور موٹاپا سستی و کند ذہنی کو مُستلزم ہے۔ (دروس البلاغۃ)

مثالِ ثانی: عمرو کی رات چاندنی ہوگئی، یہ کہہ کر عمرو کے بالوں کے سفید ہوجانے کا کنایہ کیا ہے اور واسطہ بالکل نہیں؛ لیکن ذہن کے اُس کی طرف منتقل نہ ہونے کی وجہ سے لازمی معنیٰ مخفی ہے۔

③ اِیما و اِشارہ: کنایہ میں وسائط کم ہوں یا بالکل ہی نہ ہوں، اور لازمی معنیٰ واضح ہو، جیسے شعر:

أَوَ مَا رَأَيْتَ المجْدَ أَلْقىٰ رَحْلَهُ ۞ فِيْ آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّل

کیا تم نے نہیں دیکھا بزرگی کو! کہ وہ خیمہ زن ہوگئی طلحہ کے خاندان میں، پھر وہاں سے منتقل نہ ہوئی۔ اِس شعر میں آلِ طلحہ کی جانب مجد و شرافت کے کجاوے ڈالنے کی نسبت میں کنایہ ہے؛ کیوں کہ مجد و شرافت کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے کجاوہ جیسا محل ہو۔

④ تَعرِیض: اس کا بیان ابھی اوپر مذکور ہو چکا۔

# علمِ بدیع

# مُحسِّناتِ بدیعیہ

**علمِ بدیع:** وہ علم ہے جس کے ذریعہ فصیح وبلیغ کلام میں حسن پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

کلام میں حسن پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں، جن کو "محسِّنات جوہریہ" اور "محسِّناتِ عرضیہ" سے تعبیر کرسکتے ہیں، یا "محسناتِ اصلیہ" اور "محسناتِ ضمنیہ" سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ محسنات جوہریہ کے طریقے: تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ، ایجاز، اقسام اطناب اور مساوات ہیں، جن کا ذکر بُلَغا حضرات "علمِ بیان ومعانی" کے ضمن میں کرتے ہیں۔ اور محسنات عرضیہ کی دو صورتیں ہیں: محسناتِ لفظیہ، محسناتِ معنویہ؛ جن کا بیان "علم البدیع" میں کیا جاتا ہے۔

**مُحَسِّنَاتِ مَعْنَوِیَّہْ:** وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ معانیٔ کلام میں حسن پیدا کیا جائے۔ یہ طرق متعدد ہیں۔

**محسناتِ لفظیہ:** وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ الفاظِ کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ متعدد ہیں۔

## بابِ اول: درمحسّناتِ معنویہ

متعلق بہ اجزائے کلام: جمعِ ضدین، جمعِ متناسبین، لفظ ذو معنیین، اشیائے متعددہ، طرفین جملہ، اثباتِ صفت، حسنِ کلام۔

متعلق بہ مضمونِ کلام: تحسینِ مضمون، اثباتِ مضمون۔

# بابِ ثانی: درمحسّناتِ لفظیہ

متعلق بہ: تشابہِ لفظین، اختلافِ لفظین، تحسینِ کلمہ، اختتامِ فقرہ۔
خاتمہ: متعلق بہ تحسینِ کلام۔

# بابِ اول: درمحسّناتِ معنویہ

## فصلِ اول: درجمعِ ضدین

طباق کی اوّلاً تین قسمیں ہیں: طباقِ جلی، طباقِ خفی اورطباقِ مقابلہ۔

① **طِبَاقِ جَلی:** کلامِ نثری یا کلامِ شعری میں دومتضاد چیزوں کواکٹھا کردینا، جیسے:﴿أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُاْ ٱلضَّلَـٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ﴾ [البقرة:١٦] ﴿فَلْيَضْحَكُواْ قَلِيلًا وَلْيَبْكُواْ كَثِيرًا﴾ [التوبة:٨٢] ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة:٢٨٦] ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ﴾(1) [البقرة:٢٦٠].

---

① آیتِ اولیٰ: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ آیتِ ثانیہ: اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں۔ آیتِ ثالثہ: اِس کو فائدہ بھی اُسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اُسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ آیتِ رابعہ: اور (اُس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: میرے پروردگار! مجھے دِکھایئے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟۔

دیکھیے! آیتِ اولیٰ ﴿ٱلضَّلَـٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ﴾ میں ہدایت وضلالت متضاد اسموں کو جمع کیا ہے۔ آیتِ ثانیہ میں ﴿لَيَضْحَكُواْ﴾ اور ﴿لَيَبْكُواْ﴾ متضاد فعلوں کو، اور ﴿قَلِيلًا﴾ اور ﴿كَثِيرًا﴾ دو اسموں کو جمع کیا ہے۔ آیتِ ثالثہ میں لام (برائے منفعت) اور علی (برائے مضرت) متضاد حرفوں کو جمع کیا ہے۔ اور آیتِ رابعہ میں دو متضاد اسم وفعل ﴿تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ کو جمع کیا ہے۔

ملاحظہ: طباق کی مزید مختلف صورتوں کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔

نسبت کے اعتبار سے طِباق کی دو صورتیں ہیں: طباقِ ایجابی، طباقِ سلبی۔

① **طِبَاقِ اِیْجَابِی:** وہ طباق ہے جس میں دو معنوں کے درمیان تضاد ہو اور دونوں مثبت یا دونوں ہی منفی ہوں؛ یعنی: ایجاب وسلب کا اختلاف نہ ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُۥ هُوَ أَضۡحَكَ وَأَبۡكَىٰ ۝٤٣ وَأَنَّهُۥ هُوَ أَمَاتَ وَأَحۡيَا ۝٤٤﴾ [النجم]؛ ﴿ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحۡيَىٰ ۝١٣﴾ [الأعلیٰ][1]

② **طِبَاقِ سَلَبِی:** وہ طباق ہے جس میں ایجاب وسلب کا اختلاف ہو (یعنی ایک معنیٰ مثبت ہو اور دوسرا منفی) چاہے ایک مصدر کے دو فعلوں کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿يَسۡتَخۡفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُونَ مِنَ ٱللَّهِ﴾ [النساء: ۱۰۸]؛ یا امر و نہی کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿فَـ"لَا تَقُل" لَّهُمَآ أُفّٖ وَلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوۡلٗا كَرِيمٗا ۝٢٣﴾ [الإسراء]؛ ﴿فَلَا تَخۡشَوُاْ ٱلنَّاسَ وَٱخۡشَوۡنِ﴾[2] [المائدة:٤٤]

---

① آیتِ اولیٰ: اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی۔ دیکھیے! یہاں ﴿أَضۡحَكَ - وَأَبۡكَىٰ؛ أَمَاتَ - أَحۡيَا﴾ دونوں ہی فعل مثبت ہیں۔ آیتِ ثانیہ: پھر وہ (جہنمی) اُس آگ میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا؛ اِس آیت میں ﴿لَا يَمُوتُ - لَا يَحۡيَىٰ﴾ دونوں ہی فعل منفی ہیں۔

② آیتِ اولیٰ: یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے۔ آیتِ ثانیہ: اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنھیں اُف تک نہ کہو، اور نہ اُنھیں جھڑکو؛ بلکہ=

طباق سے ملتی جلتی صنعت ''طباق مقابلہ'' ہے۔

**مُقَابَلَہْ:** یہ ہے کہ: دو یا زیادہ باہم متفق معنوں کو ذکر کیا جائے، پھر ترتیب وار اُن کے مقابل کو بھی لایا جائے، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا، جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [التوبة] ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾[1] [الليل]

---

= اُن سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ آیتِ ثالثہ: (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ دیکھیے! یہاں پر ﴿يَسْتَخْفُونَ﴾ اور ﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ﴾ کے درمیان، ﴿لَا تَقُل﴾ منفی اور ﴿قُل﴾ مثبت کے درمیان اور ﴿لَا تَخْشَوُا﴾ نہی اور ﴿وَاخْشَوْنِ﴾ امر کے درمیان اثبات ونفی کا اختلاف ہے۔ (جواھر، علم البدیع)

(۱) دیکھیے! اِن آیات میں ضحک وقلت کو ذکر کیا گیا ہے پھر اِن کے مقابل بکاء وکثرت کو؛ نیز اِعطاء واِتقاء، تصدیقِ حسنیٰ وتیسیر یسریٰ کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار اُن کے مقابلات یعنی: بخل، استغناء عن الدین، تکذیبِ حسنیٰ اور تیسیر عسریٰ کو ذکر کیا گیا ہے۔ (علم البدیع)

ملاحظہ: مقابلہ کبھی دو دو چیزوں میں ہوتا ہے، تو کبھی تین تین، چار چار اور پانچ پانچ چیزوں میں ہوتا ہے۔

دو دو کی مثال، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا﴾ [التوبة: ۸۲]؛ تین تین کی مثال، جیسے: ﴿«يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ»، «وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ»، «وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ، وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ»﴾ [الأعراف: ۱۵۷] یہاں امر کا نہی سے، معروف کا منکر سے اور تحلیلِ طیبات کا تحریم خبائث سے مقابلہ ہے؛ چار چار کی مثال ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى...﴾ ہے؛ یہاں سخاوت، ڈرنا، تصدیقِ حسنیٰ اور تیسیرِ یسریٰ کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ہر ایک کے مقابل کو ذکر کیا ہے، یعنی: بخل، بے پرواہ رہنا، تکذیبِ حسنیٰ اور تیسیرِ عسریٰ۔ پانچ پانچ کی مثال، جیسے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ...﴾ [البقرة:۲۶] یہاں ﴿بَعُوضَةً - فَمَا فَوْقَهَا﴾، ﴿الَّذِينَ آمَنُوا - الَّذِينَ كَفَرُوا﴾، ﴿يُضِلُّ - يَهْدِي﴾، =

# فصلِ ثانی: در جمعِ متناسبین

① **مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ:** (طباق کا برعکس) یہ ہے کہ کلام میں دو یا زیادہ باہم مشابہ (متناسب) چیزوں کو جمع کرنا جن میں تضاد نہ ہو، جیسے: ﴿«اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ» بِحُسْبَانٍ﴾ [الرحمٰن]؛ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ «الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ» وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾(۱) [التوبۃ:۳۴].

مراعاۃ النظیر کے قبیل سے ''تشابہِ اطراف'' ہے۔

② **تشابُہ اَطْرَاف معنًی:** ابتدائے کلام کے ساتھ معنوی طور پر مناسبت ومشابہت رکھنے والے الفاظ پر کلام ختم کرنا، جیسے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ، وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ؛ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾(۲) [الأنعام].

③ **مُشَاكَلَت:** کسی معنیٰ کو اُس کے موضوع لفظ کے علاوہ ایسے لفظ سے تعبیر کرنا جس سے وہ لگا ہوا ہو، جیسے: ﴿وَجَزَاؤُا سَيِّئَةٍ «سَيِّئَةٌ» مِثْلُهَا﴾ [الشوریٰ:۴۰]؛

---

=﴿يَنْقُضُونَ- مِيثَاق﴾، ﴿يَقْطَعُونَ- أَنْ يُوصَلَ﴾ میں مقابلہ ہے۔(الزیادۃ والاحسان)

① دیکھیے! مثالِ اول میں سورج وچاند طلوع وغروب ہونے میں؛ اور مثالِ ثانی میں سونا اور چاندی نقدیت میں شریک ہیں۔

② نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اِتنی ہی لطیف ہے اور وہ اِتنا ہی باخبر ہے۔ یہاں ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ پر کلام کا اختتام کیا ہے جس میں ﴿اللَّطِيفُ﴾ یہ جزِ اول ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کے متناسب ہے، اور ﴿الْخَبِيرُ﴾ یہ جزِ ثانی ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ کے متناسب ہے۔(علم البدیع)

﴿فَمَنِ ٱعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡ فَٱعۡتَدُواْ عَلَيۡهِ﴾[1] [البقرة:١٩٤].

# فصلِ ثالث: در لفظِ ذو معنیین

① **تَوْرِیَہْ:** یہ ہے کہ: متکلم ایک ایسا لفظ استعمال کرے جس کے دو معنیٰ ہوں، ایک قریبی معنیٰ (یعنی: مشہور معنیٰ جو لفظ سے بہت جلد سمجھ میں آنے والا ہو) اور دوسرا بعیدی (قلیل الاستعمال)، اور متکلم کسی مخفی قرینے کی وجہ سے اُسی معنیٰ کو مراد لے رہا ہو، جیسے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِٱلَّيۡلِ، وَيَعۡلَمُ مَا «جَرَحۡتُم» بِٱلنَّهَارِ﴾[2] [الأنعام:٦٠].

توریہ کا مقصد: توریہ کرنے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ معنیٔ بعیدی دل ودماغ میں اتر جائے، یا کبھی تصریح کرنے پر ضرر پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے، اِس وجہ

---

① آیتِ اولیٰ: اور کسی برائی کا بدلہ اُسی جیسی ''برائی'' ہے؛ دیکھیے! بدلے کے طور پر جو بُرائی کی جاتی ہے، اِس پر ﴿سَيِّئَةٍ﴾ کا اطلاق مشاکلتًا ہے۔ آیتِ ثانیہ میں ظلم کا بدلہ لینے پر اعتداء کا اطلاق کرنا مشاکلتًا ہے۔ (جواہر، الزیادۃ)

② اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمھاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے اُسے خوب جانتا ہے۔ یہاں آیتِ کریمہ میں ﴿جَرَحۡتُم﴾ کے دو معنیٰ ہیں، ایک معنیٰ قریبی ظاہری غیر مرادی یعنی ''زخم لگانا''، اور یہی معنیٰ مشہور بھی ہے مگر یہاں مراد نہیں؛ اور دوسرا معنیٰ بعیدی خفی مرادی یعنی اعضاء وجوارح سے کچھ کرنا (گناہ کرنا)، اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے، اور ظاہر ہے کہ معنیٔ قریب کے مناسبات یہاں مذکور نہیں ہے، اور قرینہ مقامِ مدح ہے؛ کیوں کہ انسانوں کے ظاہری زخم لگانے کو تو عام لوگ بھی جانتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کے ظاہری وباطنی گناہوں کو صرف علیمٌ بذات الصدور ذات ہی جانتی ہے۔ (علم البدیع بزیادۃ)

سے توریہ کیا جاتا ہے، جیسے: حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی نے بہ وقتِ ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت دریافت کیا کہ: یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: «هادٍ يَهْدِيْنِيْ».[۱] (علم البدیع)

② **اِسْتِخْدَام:** کسی لفظ کے دو یا زیادہ معانی ہوں، ایک معنیٰ، لفظ سے مراد لیں اور اُس لفظ کی طرف ضمیر راجع کرتے ہوئے اُس کے دوسرے معنیٰ مراد لیں، جیسے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا «ٱلْإِنسَٰنَ» مِن سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ ۝١٢ ثُمَّ جَعَلْنَٰهُ «هُ» نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝١٣﴾ [المؤمنون]؛ ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ «ٱلشَّهْرَ» فَلْيَصُمْهُ «هُ»﴾[۲] [البقرة:۱۸۵]

## فصلِ رابع: در اشیائے متعددہ

① **جَمْع:** یہ ہے کہ دو یا زیادہ مختلف چیزوں کو حکمِ واحد میں جمع کرنا، جیسے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ «رِجْسٌ

---

① هادٍ کے دو معنیٰ ہیں: ① معنیٰ قریب غیر مرادی، راستہ بتانے والا ② معنیٰ بعید مرادی، صراطِ مستقیم کی راہ دِکھانے والا؛ یہاں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ پر ضرر کے خدشے سے ایسا لفظ استعمال فرمایا کہ نہ ضرر لاحق ہوا اور نہ ہی جھوٹ کا ارتکاب ہوا۔

② آیتِ اولیٰ: ہم نے انسان (آدم) کو منتخب مٹی سے بنایا؛ پھر ہم نے اُسے (تمام بنی آدم) پانی کی ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں رکھا۔ یہاں ﴿ٱلْإِنسَٰنَ﴾ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، اور اُس کی طرف راجع ﴿جَعَلْنَٰهُ﴾ کی ﴿هُ﴾ ضمیر سے ''ولد آدم'' مراد ہے۔ آیتِ ثانیہ: ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ﴾ میں ﴿شَهْرَ﴾ سے مراد ''ہلال'' ہے، اور اُس کی طرف لوٹنے والی ﴿فَلْيَصُمْهُ﴾ کی ضمیر ﴿هُ﴾ مفعول سے متعین زمانہ (ماہِ رمضان) مراد ہے۔

مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ»﴾ [المائدة:۹۰] ﴿ٱلۡمَالُ وَٱلۡبَنُونَ «زِينَةُ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا»﴾[۱] [الکهف:٤٦].

② **تفرِیْق:** یہ ہے کہ: متکلم تعریف وغیرہ مواقع میں ایک ہی نوع میں شریک دو چیزوں کے درمیان کسی ایسے لفظ کو ذکر کر کے جدائی وتفریق بیان کرے جو زائد معنیٰ کا فائدہ دے، جیسے: ﴿وَمَا يَسۡتَوِي ٱلۡبَحۡرَانِ، هَٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُۥ وَهَٰذَا مِلۡحٌ أُجَاجٌ﴾[۲] [فاطر:۱۲].

③ **تَقْسِیْم:** متکلم چیز سے متعلق جملہ اقسامِ محتملہ کا احاطہ کر لے، کہ کوئی محتمل قسم باقی نہ رہے، جیسے: ﴿لِّلَّهِ مُلۡكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُۚ: يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا، وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ۝٤٩ أَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَإِنَٰثًاۖ وَيَجۡعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًاۚ﴾[۳] [الشوریٰ].

---

① یہاں خمر ومیسر، انصاب وازلام مختلف چیزوں کو حکمِ واحد ﴿رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ﴾ میں جمع کیا گیا ہے۔ (علم البدیع)

② اور دو دریا برابر نہیں ہوتے، ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے جو پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کڑوا نمکین۔ دیکھیے! یہ دونوں چیزیں دریا ہونے میں شریک ہیں؛ لیکن دونوں میں ﴿عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُۥ﴾ اور ﴿مِلۡحٌ أُجَاجٌ﴾ کے ذریعے تفریق وجدائی کر دی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے:

فَجُوْدُ كَفَّيْهِ لَمْ تَقْلَعْ سَحَائِبُهُ ۞ عَنِ الْعِبَادِ وَجُوْدُ السُّحُبِ لَمْ يَدُمِ

③ یہاں اولاد کے اعتبار سے زوجین کے چار احوالِ محتملہ ذکر کیے ہیں، کہ وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں بخشتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، جسے چاہے جوڑے (بیٹے اور بیٹیاں دونوں) بخشتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے؛ اِس مضمون سے متعلق یہی چار اقسام ہیں، جن کو اِس جگہ جمع فرمایا ہے۔ (علم البدیع) =

④ **لَفّ وَنَشْر:** (طی ونشر) چند چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) یا تفصیلاً (ممتاز) ذکر کرنا، پھر بلا تعیین اُن میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک حکم کو ذکر کرنا محض اِس اعتماد پر کہ مخاطب اِن احکام کو اُس کے مناسب کی طرف لوٹائے گا۔

لف ونشر کی تفصیلاً دو قسمیں ہیں: ① لف ونشر مرتّب (لف ونشر غیر مشوّش)؛ ② لف ونشر غیر مرتب (لف ونشر مشوّش)

⑤ **لَفّ وَنَشْر مُرَتَّب:** یہ ہے کہ: متعدد چیزوں کو تفصیلاً (علاحدہ علاحدہ)

---

= **جَمع مع التَّفْرِیق:** دو چیزوں کو حکمِ واحد میں داخل کر کے ادخال کی دو جہتوں میں جدائی اور فرق بیان کرنا، جیسے: ﴿ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا، وَٱلَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَاۖ فَيُمْسِكُ ٱلَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا ٱلْمَوْتَ، وَيُرْسِلُ ٱلْأُخْرَىٰٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّىۚ﴾[الزمر:۴۲].

دیکھیے! اِس آیت میں تمام نفوس کو حکمِ واحد (متوفی: روح قبض کیا ہوا) میں داخل کیا ہے؛ پھر اِرسال واِمساک کے حکم سے متوفی کی دو جہتوں کے درمیان فرق کیا گیا۔(الزیادۃ والاحسان)

**جَمْع مَعَ التَّقْسِیْم:** چند چیزوں کو حکمِ واحد کے تحت داخل کرنا، پھر اُن کو مختلف قسموں پر تقسیم کرنا، جیسے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَاۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِۦ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِٱلْخَيْرَٰتِ بِإِذْنِ ٱللَّهِۚ﴾[فاطر:۳۲].

دیکھیے! وارث بنانے کے حکم میں سب داخل ہیں، ہاں! امت کے سب افراد یکساں نہیں، اِن میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمانِ صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، (یہ "ظالم لنفسہ" ہوئے)؛ اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں، نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ و وَلی۔ (اِن کو "مقتصد" فرمایا)؛ اور ایک وہ کامل بندے ہیں جو اللہ کے فضل وتوفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیلِ کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں؛ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے، اور گناہ کے خوف سے مکروہِ تنزیہی؛ بلکہ بعض مُباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں (یہ تفریق ہوئی)۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو اُن کو ہے، ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا؛ کیوں کہ درجہ بہ درجہ بہشتی سب ہیں۔ (الزیادۃ والاحسان)

ذکر کرنا، پھر بلا تعیین فہمِ سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم مرتب طور بیان کرنا، جیسے: ﴿وَمِن رَّحۡمَتِهِۦ جَعَلَ لَكُمُ «ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ» «لِتَسۡكُنُواْ فِيهِ، وَلِتَبۡتَغُواْ مِن فَضۡلِهِۦ»﴾[1] [القصص:۷۳].

⑥ **لف ونشر غیر مرتب:** یہ ہے کہ متعدد چیزوں کو تفصیلاً (علاحدہ علاحدہ) ذکر کرنا، پھر بلا تعیین فہمِ سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کے حکم (مناسب) کو غیر مرتب طور پر بیان کرنا، جیسے: ﴿فَمَحَوۡنَآ «ءَايَةَ ٱلَّيۡلِ» وَجَعَلۡنَآ «ءَايَةَ ٱلنَّهَارِ» مُبۡصِرَةً «لِّتَبۡتَغُواْ فَضۡلًا مِّن رَّبِّكُمۡ» وَ«لِتَعۡلَمُواْ عَدَدَ ٱلسِّنِينَ وَٱلۡحِسَابَۚ»﴾[2] [بنی اسراءیل:۱۲].

## فصلِ خامس: در تقدیم وتاخیر

① **عَکْس وتَبْدِیل:** کلام کے دو جزوں کو اس طور پر مکرر ذکر کرنا کہ: مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جائے، یعنی: بالکل پلٹ دینا؛ جیسے: ﴿تُولِجُ ٱلَّيۡلَ

---

(۱) یہاں ﴿ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ﴾ کو بذریعۂ عطف تفصیلا (علاحدہ اور ممتاز) بیان کیا- اس کو"لف" اور "طی" کہتے ہیں-، پھر فہمِ سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ان دونوں کے مناسب احکام غیر متعین طور پر بالترتیب ﴿لِتَسۡكُنُواْ فِيهِ، وَلِتَبۡتَغُواْ مِن فَضۡلِهِ﴾ کے ذریعے ذکر کیے۔

خلاصۂ کلام: تفصیلاً جس ترتیب سے چند چیزوں کو ذکر کیا گیا ہو، اُسی ترتیب سے ہر ایک کے احکام بھی ذکر کرنا۔

(۲) اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے، پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم (دِن سے) اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو، اور (رات سے) سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کرسکو؛ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔

فِي ٱلنَّهَارِ وَتُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِي ٱلَّيۡلِۖ وَتُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتَ مِنَ ٱلۡحَيِّۖ﴾(۱) [آل عمران:۲۷].

۲ **مَالَایَسْتَحِیل بالانعِکاس:** (قلب) کلمے یا کلام کو اوّل سے آخر تک پڑھنا اور آخر سے اول کی طرف پڑھنا یکساں ہو، کہ لفظ ومعنیٰ میں کوئی فرق نہ آئے، یعنی: اگر اُسے اُلٹا پڑھا جائے تو بھی بعینہٖ ویسا ہی کلام رہے، جیسے: ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ﴾ [یٰس:۴۰]، ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝٣﴾(۲) [المدثر].

۳ **تَصْدِیر:** (نثری)، کلامِ نثر میں دو مکرر یا متجانس یا ملحق بالمتجانسین میں سے ایک لفظ کو فِقرے کے شروع میں اور دوسرے کو فِقرے کے اخیر میں لانا، جیسے: ﴿وَهَبۡ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحۡمَةًۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡوَهَّابُ ۝٨﴾(۳) [آل عمران].

## فصلِ سادس: در اِثباتِ صفت

۱ **مُبَالَغَه:** کسی صفت کی شِدّت یا ضعف کے متعلق اِس درجہ پہنچنے کا دعویٰ

---

۱ ترجمہ: تُو ہی رات کو دِن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے؛ اور تُو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے، اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہاں دو فعل کے مفعول ومتعلق میں تقدیم وتاخیر ہے۔

۲ آیتِ اولیٰ: اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ آیتِ ثانیہ: اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔
ملحوظہ: قلب کی اِس صناعت میں معکوس حالت میں مقصور کا ممدود ہوجانا، اور ممدود کا مقصور ہوجانا نقصان دہ نہیں؛ اِسی طرح مشدد کا مخفف ہوجانا، اور مخفف کا مشدد ہوجانا؛ ہمزہ کا الف ہوجانا یا الف کا ہمزہ ہوجانا؛ اِسی طرح بعضے حرکات وسکنات میں تبدیلی کا ہوجانا نقصان دہ نہیں ہوتا۔

۳ یہاں آیتِ کریمہ کی ابتداء ﴿وَهَبۡ﴾ سے ہے اور ختم بھی ﴿ٱلۡوَهَّابُ﴾ پر ہی ہے۔

کرنا جو دُور اَز قیاس (بعید از عقل) یا ناممکن (محال) ہو[1]، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا يَدۡخُلُونَ ٱلۡجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلۡجَمَلُ فِي سَمِّ ٱلۡخِيَاطِۚ﴾[2] [الأعراف:٤٠].

② **اِیہام وتَوجِیْہ:** دو متضاد مفہوم (مثلاً: مدح وہجا، ذم وثنا) کا احتمال رکھنے والا کلام کرنا، جیسے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقُولُواْ «رَٰعِنَا» وَقُولُواْ ٱنظُرۡنَا وَٱسۡمَعُواْۗ﴾[3] [البقرة:١٠٤].

---

① علمائے بلاغت کے نزدیک مبالغہ کے لیے اَور بھی نام ہیں: اِفراط فی الصفت، تبلیغ، اغراق اور غلو۔

**غُلُوّ:** وہ وصف ہے جس سے مبالغہ بیان کیا جارہا ہے اُس کا وقوع عقلاً اور عادۃً دونوں اعتبار سے محال ہو۔

غلوِّ مقبول: وہ ہے جس میں لفظ کادَ، یُخَیَّل یا لَوْ، لَوْلَا کو استعمال کیا گیا ہو، جیسے: ﴿يَكَادُ زَيۡتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٞۚ﴾ [النور:٣٥].

② اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوجاتا۔ دیکھیے! یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا ہے، ہر زبان کے مُحاورات میں ایسی اَمثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو کسی دوسری محال چیز پر معلق کرکے ظاہر کرتے ہیں، یعنی: جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اِسی جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو، اِس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے؛ اِسی طرح اِن مکذبین ومستکبرین کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ اُن کے خلود فی النار کی خبر دے چکا ہے۔

③ ترجمہ: ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوکر) ''راعنا'' نہ کہا کرو، اور ''اُنظرنا'' کہہ دیا کرو، اور سنا کرو۔ یہود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے، اور بعضے جو اچھی طرح بات نہ سنتے وہ کہتے تھے: ﴿رَٰعِنَا﴾ یعنی ہماری رعایت کرو! یہ کلمہ سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے؛ لہٰذا مؤمنین کو یہ کلمہ بولنے سے منع کردیا اور فرمایا کہ: حضرت کی بات کو دھیان اور توجہ سے سنیں اور اگر کہنا ہے تو «انظرنا» کہیں؛ کیوں کہ یہود اِس لفظ کو بدنیتی سے زبان دبا کر «رَاعِيْنَا» یعنی: (نعوذ باللہ) ''ہمارا چرواہا'' کہتے تھے؛ نیز یہود کی زبان میں ﴿رَٰعِنَا﴾ احمق کو بھی کہتے ہیں۔ (علم البدیع)

③ **اِدْمَاج:** متکلم ایک مقصد کو بیان کرتے ہوئے دوسرے مقصد کو بھی ساتھ سمیٹ لے اِس طور پر کہ کلام سے اِن دو مقصدوں میں سے صرف ایک ہی مقصد ظاہر ہوتا ہو، جیسے: ﴿لَهُ ٱلْحَمْدُ فِي ٱلْأُولَىٰ وَٱلْآخِرَةِ﴾(1) [القصص:۷۰].

④ **اِسْتِتْبَاع:** کسی شیٔ کی تعریف اِس انداز سے کرنا کہ اُس سے دوسری چیز کی تعریف بھی ہو جائے، جیسے: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ۝١٠٨﴾(2) [التوبة]

⑤ **تَاكِيْدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمّ:** مدح کو ایسے الفاظِ مدحیہ سے مؤکد کرنا جو ذم کے مشابہ ہوں؛ یعنی ذم کی صورت میں مدح کرنا؛ جیسے: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝٢٥ إِلَّا قِيلًا سَلَٰمًا سَلَٰمًا ۝٢٦﴾(3) [الواقعة]

---

① تعریف اُسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دیکھیے! یہ مضمون بیان کرنا مقصود ہے کہ: قابلِ ستائش صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ مقصد ﴿وَلَهُ ٱلْحَمْدُ﴾ سے حاصل ہوگیا؛ لیکن اِس معنیٰ میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ﴿فِي ٱلْأُولَىٰ وَٱلْآخِرَةِ﴾ کا لفظ بڑھا کر امورِ آخرت (حشر ونشر اور جزا وسزا) کی طرف بھی اشارہ فرمالیا۔ (الزیادۃ والاحسان)

② دیکھیے! آیت میں مطہّرین کی تعریف کے ضمن میں طہارت کی تعریف بھی ہوگئی۔

③ ترجمہ: وہ (جنتی لوگ) اُس جنت میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات، ہاں! جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی (جو کہ لغو وتاثیم کی ضد ہے) کی آوازیں آئیں گی۔ یہاں اِلا سے قبل صفتِ ذم (سماعِ لغو وتاثیم) کی نفی ہے، پھر اِلا کے بعد (مقامِ ذم میں) سلام (صفتِ مدح) کا اثبات فرمایا؛ حالاں کہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ دونوں ہی صفتِ مدح ہیں؛ دیکھیے! عموماً صفتِ ذم کی نفی کے بعد صفتِ ذم کا استثنا کیا جاتا ہے؛ چناں چہ یہ ذم کی صورت میں مدح کرنا ہے جو کہ لغو وتاثیم کے جنت میں نہ ہونے کو مؤکد بیان کرتا ہے۔

⑥ **تَاكِيْدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ:** یہ ہے کہ صفتِ ذم کو ایسے الفاظِ مذمت سے مؤکد اور پختہ کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں، یعنی: مدح کی صورت میں بُرائی کرنا، جیسے: ﴿فَلَيْسَ لَهُ ٱلْيَوْمَ هَٰهُنَا حَمِيمٌ ۝٣٥ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝٣٦﴾[1] [الحاقة].

## فصلِ سابع: متعلق بہ حسنِ کلام

① **فَرَائِد:** کلام میں ایسا لفظ ذکر کرنا جو بیش قیمت ہار کے موتیوں میں سے بے نظیر موتی کی طرح ہو، یعنی: اگر کلام سے اُس لفظ کو ہٹا دیا جائے تو اُس کی خانہ پُری فُصَحا وبُلَغا کے لیے مشکل ہو جائے، جیسے: ﴿قَالَتِ ٱمْرَأَتُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْـَٰٔنَ "حَصْحَصَ" ٱلْحَقُّ﴾[2] [یوسف:۵۱].

② **اِقْتِدَار:** قادر الکلام متکلم ایک ہی مضمون کو مختلف جگہوں میں الگ الگ

---

① ترجمہ: لہٰذا آج یہاں نہ اُس کا کوئی یار و مددگار ہے، اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے سوائے غسلین کے۔ جہنمیوں کا آخرت میں نہ کوئی حمایتی دوست ہوگا اور نہ ہی کچھ کھانے کو ملے گا سوائے زخمیوں کے دھوون کے۔ یہاں إلا سے قبل صفتِ ذم (صدیق وحمیم کی نفی کی ہے) اور إلا کے بعد بھی صفت ذم (خبیث کھانے کے پائے جانے) کا اثبات کیا؛ حالاں کہ صفت ذم کے استثناء کے بعد صفتِ مدح کو ذکر کیا جاتا ہے؛ جب کہ یہاں یہ دونوں صفت مذموم ہیں۔ (علم البدیع)

② عزیز کی بیوی نے کہا کہ: ''اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ دیکھیے! حصحص کے معنیٰ ہے حق وباطل کا پوشیدگی کے بعد حصہ حصہ (ممتاز) ہو کر اِس طرح عیاں ہوجانا کہ حق واضح ہو کر ایسا سامنے آجائے کہ اُس کا انکار نہ کیا جاسکے، اور جھوٹ وباطل بے حقیقت ہو کر رہ جائے۔ دیکھیے! یہاں سے اگر ﴿حَصْحَصَ﴾ ہٹا دیا جائے تو اُس کی خانہ پُری مشکل ہو جائے۔

اسالیب (استعارہ، مجاز، کنایہ؛ ایجاز، اطناب وغیرہ) میں بیان کرے؛ جیسے:

﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [الشعراء] ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا...، إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ...، «وَقَتَلْتَ نَفْسًا» فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا﴾(1) [طه:٤٠]

**۳ اِئْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ المَعْنىٰ:** الفاظ کا معنیٔ مرادی کے موافق (جیسے معانی ویسے الفاظ) ہونا؛ پس فخر وشجاعت کے لیے مستحکم الفاظ اور پُرشوکت عبارت منتخب کرنا، مدح واظہارِ محبت کے لیے شیریں کلمات و لچک دار عبارت لانا، اِسی طرح انوکھے معنیٰ کے لیے نامانوس الفاظ اور مانوس معنیٰ کے لیے مانوس الفاظ ذکر کرنا،

---

(1) دیکھیے! یہاں احسان جتاتے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف قتل کی نسبت فرمائی ہے؛ لیکن موسیٰ وفرعون کے درمیان کے مراجعہ (آپسی گفتگو) کے موقع پر باری تعالیٰ نے قتل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ. (الزیادۃ والاحسان بزیادۃ المثال)

یہ اسلوب قرآن مجید کے ذکر کردہ تمام واقعات میں ہے، کہ ایک ہی معنیٰ بیان کرنے والی چند آیتیں مختلف صورتوں اور الگ الگ سانچوں میں ایسی ڈھالی گئی ہیں کہ ہر دو آیتیں صورتاً مختلف ہیں۔

ملاحظہ: اِنسجام یہ ہے کہ متکلم کا کلام خوشگوار الفاظ اور ہموار ترکیب (عدمِ تعقید) کی بنا پر ڈھلان کی طرف بہنے والے پانی کی طرح آسانی کے ساتھ زبان پر رواں ہو جائے؛ پورا قرآن مجید ایسا ہی ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

تہذِیب: زبان سے بہ آسانی ادا ہونے والا مرتب نغمہ دار کلام ہے جو قاری کے حلق میں مزیدار معلوم ہو، اور سامع کو ایسا لطیف اور خوشگوار معلوم ہو کہ غافل بھی کان لگا کر سننے لگے؛ نیز فہمِ سامع سے ایسا قریب ہو کہ: تدبر و تفکر کرنے والا اُس کے معنیٰ کو عقل میں مستحضر کر لے۔ پورا قرآن مجید ''تہذیب'' میں اپنی نظیر آپ ہے، اِس کی مثال ''اِبداع'' میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (الزیادۃ)

جیسے: ﴿أَخۡذَ عَزِيزٖ مُّقۡتَدِرٍ ۝٤٢﴾[1] [القمر].

④ **إِبْدَاع:** متکلم کا کلام، بدیع کی چند مختلف ضربوں پر مشتمل ہو، قرآنِ کریم میں یہ صنعت کمال درجہ کی ہے، جیسے: ﴿وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٤٤﴾[2] [هود]؛ یہ آیت سترہ الفاظ اور بدیع کی بیس ضربوں پر مشتمل ہے۔

## فصلِ ثامن: در تحسینِ مضمون

① **اِرْسَالُ الْمَثَلِ:** (کلامِ جامع) یہ ہے کہ ایسا کلام لایا جائے، جو بہت سی جگہوں میں مثل اور کہاوت بن سکے، جیسے: ﴿وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنۡ أَلۡقِ عَصَاكَۖ فَإِذَا هِيَ تَلۡقَفُ مَا يَأۡفِكُونَ ۝١١٧ فَوَقَعَ ٱلۡحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُواْ

---

① اُنھوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا؛ اِس لیے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ دیکھیے! اِس مثال میں ''قادر'' بہ معنیٰ: صاحبِ قدرت سے زیادہ بلیغ لفظ ''مقتدر'' یعنی قابو پانے والا ہے؛ کیوں کہ ''مقتدر'' کے معنیٰ: وہ ایسا قابو پانے والا ہے جس کے سامنے ساری کائنات بے بس ہے۔

② ترجمہ: اور پروردگارِ عالم کا حکم آیا کہ: ''اے زمین! اپنا پانی نگل جا، اور اے آسمان! تھم جا؛ اور پانی اُتر گیا (سُکھا دیا گیا)، سارا قصہ چکا دیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر آٹھہری، اور کہہ دیا گیا کہ: ''بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو''۔ آیتِ مذکورہ میں بیس فنون بدیعیہ ہیں: وصل وفصل، تشبیہ، طباق، مجاز، اشارہ، اِرداف، تمثیل، تعلیل، تقسیم، احتراس، اِنسجام، حسنِ نسق، ایجاز، ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ، تسہیم، تہذیب، حسنِ بیان، اعتراض، کنایہ، تعریض؛ اِسے ''ابداع'' کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ''اجرائے بلاغت'' ملاحظہ فرمائیں۔

يَعۡمَلُونَ﴿١١٨﴾»﴾[1] [الأعراف]

② **اِسْتِطْرَاد:** متکلم کا ایک غرض سے -جس کو وہ بیان کر رہا تھا- دوسری غرض کی طرف دونوں غرضوں کے مابین مناسبت کی وجہ سے نکل جانا، پھر پہلی غرض کی طرف عود کرنا، جیسے: ﴿أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمۡسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيۡلِ وَقُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِۖ -إِنَّ قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُودٗا-﴿٧٨﴾ وَمِنَ ٱلَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهِۦ نَافِلَةٗ لَّكَ﴾[2] [بني إسرائيل]

③ **اِفْتِنَانْ:** متکلم کا اپنے کلام میں دو متنوع فنون کو جمع کرنا، خواہ متضاد ہوں یا مختلف ہوں یا متفق، مثلاً: مدح وہجو، غزل وحماست، تعزیت وتہنیت؛ جیسے: ﴿إِنَّ ٱلۡأَبۡرَارَ لَفِي نَعِيمٖ﴿١٣﴾ وَإِنَّ ٱلۡفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٖ﴿١٤﴾﴾[3] [انفطار].

④ **اِلْتِفَات:** کلام کو تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا؛ تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہوجائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے؛ جیسے: ﴿وَمَالِيَ لَآ أَعۡبُدُ ٱلَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيۡهِ

---

① یعنی ''حق کھل کر سامنے آ گیا! اور باطل ملیا میٹ ہو گیا''؛ یہ کلام ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کے معنیٰ بتلانے کے مواقع پر بہ طور کہاوت اور ضرب المثل کے استعمال کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

② یہاں چار نمازیں: ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ﴿لِدُلُوكِ ٱلشَّمۡسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيۡلِ﴾ میں آ گئیں اور ﴿قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِۖ﴾ میں فجر کی نماز آ گئی؛ اِس کے بعد ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ﴾ سے تہجد کی نماز کا حکم ہوا؛ اور پانچ نمازوں اور نمازِ تہجد کے درمیان ﴿إِنَّ قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ﴾ سے نمازِ فجر کا -فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے- کثرتِ برکت وسکینہ کا موجب ہونا بیان کیا، جس کو ﴿قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ﴾ سے مناسبت ہے۔ (علم البدیع)

③ یہاں دو مختلف فنون: مؤمنین کی مدح اور مشرکین کی ہجو کو ایک ساتھ جمع فرمایا ہے۔

تُرۡجَعُونَ﴿٢٢﴾﴾[1] [یٰسٓ].

ملاحظہ: التفات کی چھ صورتیں ہیں۔ تفصیل ''اجرائے بلاغت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

⑤ **تَجَاهُلُ العَارِف**: تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شے کی جگہ لانا، مثلاً: تعجب یعنی کسی چیز کی عظمت بتانے کے لیے، جیسے: ﴿قَالَ مُوسَىٰٓ أَتَقُولُونَ لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡۖ أَسِحۡرٌ هَٰذَا وَلَا يُفۡلِحُ ٱلسَّٰحِرُونَ﴿٧٧﴾﴾[2] [یونس].

# متعلق بہ مضمونِ کلام

## فصلِ تاسع: در اثباتِ مضمون

① **تَکْرِیْر**: ایک لفظ یا جملے کا دو یا زیادہ مرتبہ اعادہ کرنا؛ جیسے: ﴿كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ﴿٤﴾﴾ [التکاثر]، ﴿فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴿١٣﴾﴾[3][الرحمٰن]، اور کبھی مقصد تاکید پیدا کرنا ہوتا ہے،

---

① یہاں تکلم «وإليه أرجع» کے بہ جائے خطاب کی طرف التفات ہے، اور یہ بتایا کہ جس ذاتِ عُلا کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور تمھیں بھی اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر ہم اُس کی عبادت کیوں نہ کریں!۔ (علم المعانی)

② موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جب کہ وہ تمھارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالاں کہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔

③ آیتِ اولیٰ: یہاں تاکیدِ انذار کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُونَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے؛ آیت ثانیہ:

جیسے: ﴿وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِينَ﴾ [المرسلات].

② **اُسْلُوْبِ حَكِیْم:** کلامِ متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا۔ اِس کی دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ: سائل کو ایسا جواب دینا جو اُس نے نہیں پوچھا، جیسے فرعون کے سوال: ﴿وَمَا رَبُّ ٱلۡعَٰلَمِينَ﴾ [الشعراء]، کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے یوں دیا: ﴿رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَآ﴾[1] [الشعراء:۲۴].

صورتِ ثانیہ: مخاطب کو ایسا جواب دینا ہے جس کا وہ منتظر نہ ہو، جیسے: ﴿وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّي﴾[2] [إسراء:۸۵].

③ **اِثْبَات:** متکلم اپنے مدعیٰ کے اثبات اور خصم کے دعوے کے ابطال پر بلا تکلف دلیلِ عقلی قطعی پیش کرے، جیسے: ﴿أَوَلَيۡسَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

---

اِس سورت میں باری تعالیٰ نے ہر نعمت کے بعد اس استفہام کو ذکر فرمایا ہے جو باری تعالیٰ کی بے بہا نعمتوں اور اُس کی شکر گذاری پر متنبہ کرتا ہے۔ (علم المعانی)

(۱) ﴿مَا﴾ کے ذریعے حقیقت و ماہیت اور جنس کا سوال ہوتا ہے؛ باری تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کرنا بڑی غلطی ہے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں جس کو "ما" کے جواب میں بیان کی جائے، چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلط سوال کا جواب نہیں دیا؛ بلکہ صحیح جواب دے کر صحیح سوال کی طرف اشارہ فرمایا کہ: یہاں سوال «مَنْ رَبُّ العَالَمِيْنَ؟» ہونا چاہیے تھا۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

(۲) یہودیوں نے روح کے متعلق یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ لفظِ روح ایک مشترک لفظ ہے جس میں انسان، قرآن، عیسیٰ، جبرئیل اور ملائکہ کی ایک جماعت داخل ہیں؛ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے جو بھی جواب دیں گے، ہم دوسرے معنیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کی تردید کریں گے۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کی روشنی میں خلافِ منتظَر ایسا مجمل جواب دیا کہ ان کی چال دھری کی دھری رہ گئی۔ (الاتقان)

وَٱلْأَرْضَ بِقَٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمۚ بَلَىٰ وَهُوَ ٱلْخَلَّٰقُ ٱلْعَلِيمُ﴿٨١﴾ [يٰس]؛
﴿بَلَىٰ قَٰدِرِينَ عَلَىٰٓ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُۥ﴿٤﴾﴾ (۱) [القيامة].

④ **قَسَم:** متکلم اپنے مدّعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے ایسی چیز کی قسم کھائے جو اُس کے لیے باعثِ فخر ہو یا اُس سے مقسم بہ کی قدرو منزلت بڑھانا مقصود ہو، جیسے:
﴿«لَعَمْرُكَ» إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴿٧٢﴾﴾ (۲) [الحجر:۷۲].

---

① آیتِ اولیٰ: بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اِس بات پر قادر نہیں ہے کہ اِن جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں؟ جب کہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

آیتِ ثانیہ: کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو اِکٹھا نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! جب کہ ہمیں اِس پر بھی قدرت ہے کہ اُس کی اُنگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنا دیں۔ یعنی: ہڈیوں کو جمع کر لینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو اِنسان کی اُنگلیوں کے ایک ایک پورے کو ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ اول بار قادر تھے۔

② باری تعالیٰ اپنے عظیم المرتبت نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان کو واضح فرماتے ہیں۔ (الزیادۃ والاحسان)

ملحوظہ: قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، وہ اوّل تو عربی فصاحت وبلاغت کا اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے؛ دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ درحقیقت اُس دعوے کی دلیل ہوتی ہے جو اُن قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَٱلصَّٰٓفَّٰتِ صَفّٗا﴿١﴾ فَٱلزَّٰجِرَٰتِ زَجْرٗا﴿٢﴾ فَٱلتَّٰلِيَٰتِ ذِكْرًا﴿٣﴾ «إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَٰحِدٞ»﴿٤﴾﴾ [الصّٰفّٰت]

# بابِ ثانی: در محسّناتِ لفظیہ

## فصلِ اوّل: در تشابہِ لفظین

**جِناس:** دو لفظوں کا نطق وتکلم میں ایک جیسا ہونا اور معنیٰ میں مختلف ہونا، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ «ٱلسَّاعَةُ» يُقْسِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ، مَا لَبِثُواْ غَيْرَ «سَاعَةٍ»﴾[1] [الروم:۵۵]

جناس کی دو قسمیں ہیں: ① جناسِ تام ② جناسِ غیر تام۔

**جِنَاسِ تَام:** وہ جناس ہے جس میں دو لفظ- معنیٰ کے اختلاف کے ساتھ- حروف کی نوعیت میں، تعداد میں، ہیئت (حرکات وسکنات) اور ترتیب میں موافق ہوں، جیسے: ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِۦ يَذْهَبُ بِـ«ٱلْأَبْصَٰرِ»﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ ٱللَّهُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُوْلِي «ٱلْأَبْصَٰرِ»﴿٤٤﴾﴾[2] [النور]

## فصلِ ثانی: در اختلافِ لفظین

**جناسِ غیر تام:** وہ جناس ہے جس میں دو لفظ مذکورہ چار چیزوں

---

① یہاں ﴿ٱلسَّاعَةُ﴾ اور ﴿سَاعَةٍ﴾ دونوں نطق میں موافق ہیں اور معنیٰ مختلف؛ کیوں کہ ساعۃ اولیٰ سے قیامت مراد ہے اور ساعۃ ثانیہ سے زمانہ مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں کے حروف ایک ہی نوعیت کے ہیں؛ لہٰذا یہ جناس تام مماثل ہے۔ (علم البدیع)

② ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی، وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے؛ یقیناً اِن سب باتوں میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ دیکھیے! یہاں ﴿ٱلْأَبْصَٰرِ﴾ اوّل سے نظر مراد ہے اور ثانی سے عقل مراد ہے۔ (علم البدیع)

(نوعیتِ حروف، تعداد، ہیئت اور ترتیب) میں سے کسی ایک یا چند چیزوں میں مختلف ہوں؛ جیسے: ﴿وَهُمْ «يَنْهَوْنَ» عَنْهُ وَ«يَنْـَٔوْنَ» عَنْهُ﴾(۱) [الأنعام:٢٦]

۲ **جِناسِ ناقِص:** وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ ایک کلمے کے ایک یا دو حروف دوسرے کلمے سے کم ہوں یا زیادہ ہوں؛ چاہے یہ زیادتی شروع میں ہو یا درمیان یا اخیر میں ہو، جیسے: ﴿وَٱلْتَفَّتِ ٱلسَّاقُ بِـ«ٱلسَّاقِ» ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ «ٱلْمَسَاقُ» ﴿٣٠﴾﴾ [القيامة] ﴿ثُمَّ «كُلِي» مِن «كُلِّ» ٱلثَّمَرَاتِ﴾(۲) [النحل:٦٩]

۳ **جِناسِ مُحَرَّف:** وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ ہیئتوں (یعنی: حرکات وسکنات) میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾﴾(۳) [الصّٰفّٰت]

---

(۱) اور یہ دوسروں کو بھی اِس (قرآن) سے روکتے ہیں اور خود بھی اُس سے دور رہتے ہیں۔ یہاں ﴿يَنْهَوْنَ، وَيَنْـَٔوْنَ﴾ میں صرف ہمزہ اور ہاء کا فرق ہے، ہمزہ میں جہر وشدت ہے اور ''ہاء'' میں ہمس ورخاوت ہے؛ لیکن شدتِ اتصال کی بنا پر دونوں کو ایک شمار کرلیا جاتا ہے، کہ دونوں اقصائے حلق سے نکلتے ہیں۔

ملحوظہ: اگر یہ دو بعید المخارج حروف متجانس (ہم جنس) ہیں تو اِس کو ''اِزدِواج'' کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾﴾ [النمل].

(۲) آیتِ اولیٰ: اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی، اُس دن تمھارے پروردگار ہی کی طرف روانگی ہوگی۔ یہاں آیتِ کریمہ میں لفظ ﴿بِٱلسَّاقِ﴾ میں ﴿سَاقُ﴾ کے مقابلہ میں ایک حرف زائد ہے۔ (علم البدیع) آیتِ ثانیہ: پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر۔ یہاں صرف ایک حرف یاء کی زیادتی ہے۔

(۳) ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا اُن کا انجام کیسا ہوا؟۔ یہاں «مُنْذِرِيْنَ ومُنْذَرِيْنَ» میں زبر زیر کا فرق ہے۔

④ **قَلْب** (مقلوب): وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ ترتیبِ حروف میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ "بَيْنَ" "بَنِيٓ" إِسْرَٰٓءِيلَ﴾[1] [طٰهٰ:۹۴].

# فصلِ ثالث: متعلق بہ تحسینِ کلمہ

① **اِئْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ**: یہ ہے کہ عبارت کے الفاظ مانوس (کثیر الاستعمال) ہونے اور نامانوس (قلیل الاستعمال) ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مناسب ہوں؛ تاکہ کلام میں عمدگی اور مناسبت پیدا ہوجائے، جیسے: ﴿تَٱللَّهِ تَفْتَؤُاْ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا﴾[2] [یوسف:۸۵].

# فصلِ رابع: متعلق بہ اختتامِ فِقرہ

## سجع واَقسامِ سجع

جب کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے، اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا

① ترجمہ: حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہوگے کہ: تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔ (علم البدیع)

② اِس آیت میں قسم کے لیے "تاء" کو استعمال کیا گیا ہے جو حرفِ قسم "باء" اور "واؤ" کی بہ نسبت قلیل الاستعمال ہے، تو اِسی کی مناسبت سے استمرار کے معنیٰ کے لیے «تَفْتَؤُا» کو اختیار فرمایا جو «تَزَالُ» کی بہ نسبت قلیل الاستعمال، غریب اور نامانوس ہے، اِسی طرح ہلاکت کے لیے ﴿حَرَضًا﴾ کا استعمال بھی قلیل ہے؛ تاکہ غرابت اور قلتِ استعمال کے اعتبار سے سب متحد ہوجائیں۔ (الزیادۃ، جواھر)

مشتاق بنا دیتا ہے؛ پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے جس کا نفس منتظر تھا، تو اُس وقت لذت دو گنا ہوجاتی ہے؛ اور جب فواصل میں بھی دونوں فقرے مشترک ہوجاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہوجاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوقِ سلیم سے موزون و مقفیٰ کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔

① **سَجَعْ:** کلامِ منثور میں کے دو یا چند فاصلوں کا حرفِ اخیر میں یکساں اور موافق ہونا؛ چاہے یہ یکسانیت ایک ہی حرف کے استعمال سے ہو یا دو قریب المخرج حروف لانے سے ہو، جیسے: ﴿وَٱلطُّورِ ۝١ وَكِتَٰبٖ مَّسۡطُورٖ ۝٢ فِي رَقّٖ مَّنشُورٖ ۝٣ وَٱلۡبَيۡتِ ٱلۡمَعۡمُورِ ۝٤﴾ [الطور] ﴿قٓۚ وَٱلۡقُرۡءَانِ "ٱلۡمَجِيدِ" ۝١ بَلۡ عَجِبُوٓاْ أَن جَآءَهُم مُّنذِرٞ مِّنۡهُمۡ فَقَالَ ٱلۡكَٰفِرُونَ هَٰذَا شَيۡءٌ "عَجِيبٌ" ۝٢﴾ [ق].(۱)

ملحوظہ: چند جملوں کے اخیر میں واقع ہونے والا لفظی تناسب یا تو کلام اللہ میں ہوگا یا کلام الناس میں ہوگا، اگر کلام اللہ میں ہے تو اُس کو "فاصلہ" کہتے ہیں، اور کلام الناس میں ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کلامِ نثر میں ہوگا یا کلامِ نظم

① آیتِ اولیٰ: قسم ہے کوہِ طور کی اور اُس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے، اور قسم ہے بیتِ معمور کی اور بلند کی ہوئی چھت کی۔ آیتِ ثانیہ: ق، قرآن مجید کی قسم! (اِن کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا؛ بلکہ اِنھوں نے اِس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود اُن ہی میں سے (کیسے) آ گیا! چناں چہ اِن کافروں نے یہ کہا ہے کہ: یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ آیتِ ثانیہ میں دال اور باء قریب المخرج ہیں۔

میں، اگر نثر میں ہے تو اُس کو ''سجع'' کہتے ہیں، اور نظم میں ہے تو اُس کو ''قافیہ'' کہتے ہیں۔ قافیہ کا سب سے پچھلا بار بار آنے والا حرف جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کو ''روِی'' کہتے ہیں (۱)۔

سجع کی وہ اقسام جو کلامِ نثری وکلامِ شعری دونوں میں مشترک ہیں، تین ہیں:

① مُرَصَّع ② مُتَوازِی ③ مُطَرَّف۔

**① سجعِ مُرَصَّع:** وہ سجع ہے جس میں دو فقروں (سجع دار جملوں) میں سے ہر ایک کے تمام یا اکثر الفاظ وزنِ عروضی (۲) اور قافیہ میں دوسرے فقرے

---

① **شعر، وزنِ شعری، سجع، حرفِ رَوی**

شعر: وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو (موزون ومقفیٰ کلام)۔

وزنِ شعری: وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مَقطَع اور قصیدے کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے؛ کل اوزانِ شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحویؒ نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امامِ اخفش نے پیش کیا ہے۔

سجع: کلامِ منثور میں دو فاصلوں کے آخرِ الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل (حرکت وسکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے: ﴿إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝١٣ وَإِنَّ ٱلْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝١٤﴾ [الانفطار].

ملحوظہ: اصطلاح میں مقفیٰ الفاظ کو سجع کہتے ہیں، خواہ وہ نظم میں استعمال ہوں یا نثر میں۔

روِی: وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثالِ مذکور میں حرفِ ''میم'' روی ہے۔

② وزنِ عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات وسکنات ہیں جو قواعدِ علمِ عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو؛ یہ دس ہیں: فَعُوْلُنْ [//★/★]، مَفَاعِيْلُنْ [//★/★/★]، مُفَاعَلَتُنْ [//★///★]، فَاعِلَاتُنْ [/★//★/★]، فَاعِلُنْ [/★//★]، فَاعِلَاتُنْ [/★//★/★]، مُسْتَفْعِلُنْ [/★/★//★]، مُتَفَاعِلُنْ [///★//★]، مَفْعُوْلَاتُ [/★/★/★/]، مُسْتَفْعِلُنْ [/★/★//★]. (میزان الذھب)

وزنِ شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: سبب (دو حروف)، وتد (تین حروف کے مجموعہ) =

جیسے ہوں، ﴿إِنَّ ٱلۡأَبۡرَارَ لَفِي نَعِيمٖ ۝١٣ وَإِنَّ ٱلۡفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٖ ۝١٤﴾ [الانفطار] ﴿إِنَّ إِلَيۡنَآ إِيَابَهُمۡ ۝٢٥ ثُمَّ إِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُم ۝٢٦﴾ (١) [الغاشية].

**٢ سَجْع مُتَوازي:** وہ سجع ہے جس کے صرف دو فاصلے وزن عروضی اور رَوِی میں متفق ہوں، جیسے: ﴿سُرُرٞ مَّرۡفُوعَةٞ ۝١٣ وَأَكۡوَابٞ مَّوۡضُوعَةٞ ۝١٤﴾ (٢) [الغاشية].

**٣ سجع مُطَرَّف:** وہ سجع ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل (اخیری کلمے) وزنِ عروضی میں مختلف ہوں؛ البتہ رَوِی (حرف اخیر) میں متفق ہوں، جیسے:

---

=اور فاصلہ (تین یا چار حرفوں کا مجموعہ)، ہر ایک کی بالترتیب مثالیں یہ ہیں؛ سبب، جیسے: لَكَ[//]، هَبْ[/★]؛ وتِد، جیسے: نَعَمْ، [//★]، مَاتَ[/★/]؛ فاصلہ، جیسے: سَكَنُوْا[///★]، قَتَلَهُمْ، [////★]۔ آنے والی مثال میں: نَعِيْمٍ جَحِيْمٍ وتِدِ مجموع اور سببِ خفیف سے مرکب ہے۔

ملحوظہ: وزنِ عروضی میں حرفِ مشدد کے دو حروف شمار کیے جاتے ہیں: پہلا ساکن دوسرا متحرک، اِسی طرح حرفِ منوَّن کے بھی دو حروف شمار کیے جاتے ہیں؛ نیز حرکت کو حرکت کے مقابل کیا جاتا ہے اگرچہ کسرہ فتحہ کے مقابل کیوں نہ ہو، اور سکون سکون کے مقابل ہوتا ہے۔ وزنِ عروضی تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: اسباب، اوتاد اور فواصل۔ (میزان الذہب) تفصیل کے لیے ''دستور الطُلَباء'' ملاحظہ فرمائیں۔

(١) آیتِ اولیٰ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ پس یہاں ﴿أَبۡرَارَ لَفِي﴾، یہ وزن اور قافیہ میں فُجَّارَ، لَفِي، کی طرح ہے، اور نَعِيْمٍ، جَحِيْمٍ کی طرح ہیں؛ اور دونوں کا قافیہ حرف ''میم'' پر ہے۔ اِسی طرح دوسری آیت سمجھ لیں۔ آیتِ ثانیہ: یقین جانو اِن سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر یقیناً اِن کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

(٢) ترجمہ: اُس میں اونچی اونچی نشستیں ہوں گی اور سامنے رکھے ہوئے پیالے۔ یہاں صرف دو فاصلے ﴿مَّرۡفُوعَةٞ﴾ اور ﴿مَّوۡضُوعَةٞ﴾ وزن اور رَوِی میں متفق ہیں؛ ورنہ دوسرے کلمات: ﴿فِيهَا سُرُرٞ - أَكۡوَابٞ﴾ مختلف ہیں؛ جب کہ مرصّع میں اکثر یا تمام کلمات وزنِ عروضی میں متفق ہوتے ہیں۔

﴿مَّا لَكُمۡ لَا تَرۡجُونَ لِلَّهِ وَقَارٗا ١٣ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ أَطۡوَارًا ١٤﴾[1] [نوح].

**۲ لُزُوْمُ مَا لَا يَلْزَم:** وہ سجع ہے جس میں نظم گو یا نثر نگار بعض یا اکثر فقروں میں حرف رَوِی کے ماقبل حروف میں بلاتکلف یکسانیت کو برقرار رکھے، جیسے:

﴿فَأَمَّا ٱلۡيَتِيمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ٩ وَأَمَّا ٱلسَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ١٠﴾[2] [الضحیٰ].

**۳ تَشْرِيْع:** نظم ونثر کی بنیاد دو قافیوں پر اِس طرح ہو کہ اگر کسی ایک قافیہ کو حذف کر دیا جائے تب بھی اُس کا مطلب صحیح رہے، جیسے: ﴿إِذَا وَقَعَتِ ٱلۡوَاقِعَةُ ١ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ٢ ...، وَكُنتُمۡ أَزۡوَٰجٗا ثَلَٰثَةٗ ٧ فَأَصۡحَٰبُ

---

(۱) یہاں ﴿وَقَارٗا﴾ اور ﴿أَطۡوَارًا﴾ کا وزنِ عروضی مختلف ہے؛ البتہ رَوِی (حرف اخیر) دونوں میں راء ہے۔(علم البدیع)

تساوی اور عدم تساوی کے اعتبار سے فِقروں کی مختلف صورتیں ہیں:

۱- سجع کے تمام فِقرے متساوی ہوں، جیسے: ﴿فِي سِدۡرٖ مَّخۡضُودٖ ٢٨ وَطَلۡحٖ مَّنضُودٖ ٢٩ وَظِلّٖ مَّمۡدُودٖ ٣٠﴾ [الواقعة]؛ ﴿فَأَمَّا ٱلۡيَتِيمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ٩ وَأَمَّا ٱلسَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ١٠﴾ [الضحیٰ].

۲- سجع کا دوسرا فقرہ اعتدال کے ساتھ معمولی طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿وَٱلنَّجۡمِ إِذَا هَوَىٰ ١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوَىٰ ٢ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ٣ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ ٤﴾ [النجم].

۳- سجع کے پہلے دو فقرے برابر سرابر ہوں اور تیسرا فقرہ معمولی طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ٣٠ ثُمَّ ٱلۡجَحِيمَ صَلُّوهُ ٣١ ثُمَّ فِي سِلۡسِلَةٖ ذَرۡعُهَا سَبۡعُونَ ذِرَاعٗا فَٱسۡلُكُوهُ ٣٢﴾ [الحاقة].

۴- سجع کا دوسرا فقرہ پہلے فقرے کے بالمقابل معمولی اختصار لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿أَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصۡحَٰبِ ٱلۡفِيلِ ١ أَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِي تَضۡلِيلٖ ٢ وَأَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا أَبَابِيلَ ٣﴾ [الفيل].

(۲) یہاں آیت کے فواصل ﴿تَقۡهَرۡ﴾ اور ﴿تَنۡهَرۡ﴾ کے حرف اخیر (راء) میں یکسانیت کے ساتھ حرفِ ماقبل ہاء میں بھی یکسانیت ہے۔(علم البدیع)

ٱلۡمَيۡمَنَةِ مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلۡمَيۡمَنَةِ ۝٨ وَأَصۡحَٰبُ ٱلۡمَشۡـَٔمَةِ مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلۡمَشۡـَٔمَةِ ۝٩﴾[1] [الواقعة].

(۱) دیکھیے! یہاں آٹھویں اور نویں آیت کے قافیے والا فقرہ حذف کر کر دیا جائے تو بھی مطلب صحیح رہتا ہے: ﴿وَكُنتُمۡ أَزۡوَٰجٗا ثَلَٰثَةٗ ۝٧ فَأَصۡحَٰبُ ٱلۡمَيۡمَنَةِ... ۝٨ وَأَصۡحَٰبُ ٱلۡمَشۡـَٔمَةِ﴾.

# خاتمہ

## اِبتداء وانتہائے کلام

① **حُسْن اِبْتِدا**[۱]: متکلّم مقتضائے حال کے مطابق لطیف معانی اور بلند خیالات کی ادائیگی کے لیے اپنے کلام کے آغاز میں شیریں کلمات، عمدہ ترکیبات لائے؛ تاکہ مخاطب ابتدا ہی سے اُس کلام کی طرف راغب ہوکر مکمل دھیان سے سنے اور محفوظ کرلے[۲]، جیسے: ﴿ٱلرَّحۡمَٰنُ ۝١ عَلَّمَ ٱلۡقُرۡءَانَ ۝٢ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ ۝٣ عَلَّمَهُ ٱلۡبَيَانَ ۝٤﴾[۳].

② **بَرَاعَتِ اسْتِهْلَال**: یہ ہے کہ متکلم (مصنف) مقصود شروع کرنے سے پہلے آغازِ کلام میں شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات کے ساتھ مقصود کی طرف غمازی

① علمائے بلاغت نے متکلّم کو اِس بات پر آگاہ کیا ہے کہ: وہ اپنے کلام میں تین جگہوں پر اپنی فن کاری دِکھائے: ① ابتدائے کلام میں ② ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے، یا قرآن وحدیث سے اقتباس کرنے، یا غیر کے کلام کو اپنے کلام کا جزو بنانے میں، یا کسی عبارت سے کوئی بات اشارۃً یا استنباطاً سمجھانے میں ③ انتہائے کلام میں۔

② عربوں کی بلاغت قصائد سے آشکارا ہوتی ہے، وہ قصیدوں کے آغاز میں عجیب وغریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ کرکے اپنے قصیدوں کو مزین کرتے تھے؛ اِس لیے باری تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج اپنایا ہے، جیسے: ﴿وَٱلصَّٰٓفَّٰتِ صَفّٗا ۝١ فَٱلزَّٰجِرَٰتِ زَجۡرٗا ۝٢﴾، ﴿وَٱلذَّٰرِيَٰتِ ذَرۡوٗا ۝١ فَٱلۡحَٰمِلَٰتِ وِقۡرٗا ۝٢﴾.

③ دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمان کو ذکر فرما کر انسان کو اپنے احسانات (انسان کی خلقت، قرآن کا فہم وغیرہ) یاد دِلائے ہیں۔

کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف رہنمائی کریں، جیسے: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾[1] [النور:۱]

**ملحوظہ:** ابتدا کی تیسری صورت قبحِ ابتدا ہے، **یعنی:** وہ ابتدا جو شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیبات سے عاری ہو اور اُس میں مقتضائے حال کی رعایت بھی نہ ہو۔

③ **حُسْن تَخَلُّص:** ابتدائے کلام میں غیر مقصود کلام کو بطورِ تمہید ومقدمہ ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہوجانا "حسنِ تخلُّص" کہلاتا ہے، بہ شرطے کہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت ہو، جیسے: ﴿الٓر تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُبِينِ ۝١ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٢ «نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ» أَحْسَنَ ٱلْقَصَصِ «بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلْغَٰفِلِينَ» ۝٣ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ إِنِّى رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِى سَٰجِدِينَ ۝٤﴾[2] [یوسف].

---

① پہلا ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اُتاری ہے اور ذمہ پر لازم کی ہے۔ سورۂ نور بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصطلاحات پر مشتمل ہے؛ اِسی لیے سورت کا آغاز اِن الفاظ سے فرمایا: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾، تاکہ مخاطبین سمجھ لیں کہ اِس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ (ملخص من فوائد)

② یہ سورت قصۂ یوسف علیہ السلام کے لیے موضوع ہے، اِس واقعہ کا افتتاح قرآنِ مجید کے تذکرے سے فرمایا؛ اِس میں ﴿الٓر تِلْكَ﴾ میں حسنِ ابتدا ہے، اور ﴿أَحْسَنَ ٱلْقَصَصِ﴾ میں براعتِ استہلال ہے؛ پھر حسنِ تخلص ﴿نَحْنُ نَقُصُّ...... لَمِنَ ٱلْغَٰفِلِينَ﴾ کے ذریعے افتتاح سے مقصود کی طرف انتقال فرمایا۔
(علم البدیع بزیادۃ)

④ **اِقْتِبَاس:** متکلّم کا قرآن یا حدیث کے کسی حصے کو بغیر حوالہ دیے اپنے کلامِ نثر یا کلامِ شعر کا جزو بنا لینا، جیسے: حریری کا قول: «أنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْل» وأُمَيِّز صَحِيْح القَوْل مِنْ عَلِيْله؛ اور شعر کی مثال:

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابَ مَا لِظَلُوْمٍ ۞ مَا«مِنْ حَمِيْمٍ وَلاشَفِيْعٍ يُّطَاع»(۱)

⑤ **اِسْتِشْهَاد:** متکلّم قرآنِ کریم یا حدیثِ نبوی کے کسی حصے کو حوالے اور صراحت کے ساتھ اپنے کلام میں شامل کر لے، اِسی کو ''استدلال'' بھی کہتے ہیں، جیسے یوں کہے: قَالَ اللهُ تَعالىٰ: یا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إلخ وغیرہ.

⑥ **تَضْمِيْن:** (اِیداع) اِس کی دو صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ متکلم معنیٰ میں تاکید پیدا کرنے یا نظم کی ترتیب باقی رکھنے کے لیے اپنے کلام کے دوران غیر کے کلام کو داخل کر لے، جیسے شعر:

وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ ۞ «خَالِقِ النَّاسَ بِخُلْقٍ حَسَنٍ»(۲)

---

① مثالِ دوم: جب یومِ حساب میں بڑے ظالم کی سزا آ پہنچے گی ''تب نہ کوئی دوست اور سفارشی ہوگا جس کی شنوائی ہو سکے''۔ یہاں شعر کا دوسرا مصرع قرآنِ پاک، سورۂ مؤمن کی اٹھارہویں آیت سے مقتبس ہے۔

ملحوظہ: اقتباس کرتے ہوئے وزنِ شعری کی رعایت میں مقتبس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرتے ہیں؛ جیسے:

﴿وَأَن لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ ۞ نعم! ﴿وَأَنَّ سَعۡيَهُۥ سَوۡفَ يُرَىٰ﴾

② جب تم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنا چاہو ''تو لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ''۔ اِس جگہ دوسرا مصرع حدیثِ پاک سے اقتباس ہے، جس کو امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں «أبواب البر والصلة» کے تحت روایت فرمایا ہے؛ شاعر نے آیت وحدیث دونوں کو اپنے شعر کا جز بنا لیا ہے، اور حوالہ نہیں دیا ہے۔

دوم: شاعر کا اپنے شعر میں دوسرے کے غیر مشہور شعر کو تضمین کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے شعر میں مِلا دینا، جیسے:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِيْ وَخِفْتُ العِدىٰ ۞ تَمَثَّلْتُ بَيْتاً بِحَالِي يَلِيْقُ
«فَبِاللّٰهِ أَبْلُغُ مَا اَرْتَجِيْ ۞ بِاللّٰهِ أَدْفَعُ مَا لاأُطِيْقُ»[1]

⑦ **تَلْمِيْح:** یہ اقتباس اور تضمین سے قریب قریب ہے، وہ یہ ہے کہ: شاعر یا نثر نگار اپنے کلام میں کسی واقعہ یا رائج کہاوت یا مشہور شعر کی جانب بغیر تذکرہ کیے صرف اشارہ کر دے، جیسے: ﴿هَلْ ءَامَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَآ أَمِنتُكُمْ عَلَىٰٓ أَخِيهِ مِن قَبْلُ﴾[2] [یوسف:٦٤].

⑧ **حُسْنِ اِنْتِهَا:** (حسنِ ختام) نظم گو ونثر نگار منتہائے کلام میں شیریں کلمات، عمدہ ترکیبات اور صحیح المعنی عبارت لائے؛ تاکہ مخاطب اُن لطیف معانی اور بلند خیالات کو اپنے ذہن میں مرتسم کرلے، اور کلام کے اختتام کی طرف غمازی کرے، جیسے: ﴿وَٱعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ ٱلْيَقِينُ ۝٩٩﴾ [الحجر]؛ اليَقيْنُ

---

① جب میرا سینہ تنگ ہوگیا اور مَیں دشمنوں کا خوف محسوس کرنے لگا تو مَیں نے اپنے حال کی تمثیل دوسرے شاعر کے ایسے شعر سے بیان کی جو میری حالت کے زیادہ مناسب تھی؛ ''سو مَیں اللہ ہی (کی مدد ونصرت) سے اپنی مراد پاتا ہوں، اور اللہ ہی (کی نصرت) سے ایسے ضرر کو دور کرتا ہوں جس کو دفع کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں''۔ (علم بدیع ودروس)

② والد نے کہا: ''کیا مَیں اِس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اِس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بابت بھائیوں کی خیانتِ سابقہ کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

أيْ: الموْتُ؛ ﴿فَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرٗا يَرَهُۥ ۝٧ وَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ شَرّٗا يَرَهُۥ ۝٨﴾ (1) [الزلزال].

ملحوظہ: بہ قول حضرت شاہ صاحبؒ: سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے، جیسا کہ سلاطین اپنے فرامین کے اختتام میں جامع کلمات، نادر وصیتوں اور احکامِ مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں، اِسی طرح باری تعالیٰ نے سورتوں کے اخیر میں جامع کلمات، پُرحکمت باتیں، سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں، جیسے: ﴿فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُواْ ذَنُوبٗا مِّثۡلَ ذَنُوبِ أَصۡحَٰبِهِمۡ فَلَا يَسۡتَعۡجِلُونِ ۝٥٩﴾ [الذٰریٰت]

## سرقاتِ شعریہ

متکلم اپنے مضمون کو پختہ کرنے اور اُس میں حسن و جمال کو پیدا کرنے کے لیے قرآن وحدیث سے یا کسی دوسرے نظم گو ونثر نگار کے کلام سے اقتباس کرتا ہے، اور وہ دو قسموں پر ہے:

قسمِ اول: بعض صورتوں میں کلام کی بلاغت اور پختگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جیسے اقتباس، استشہاد، تضمین اور تلویح میں ہوتا ہے۔

---

(1) آیتِ اولیٰ: اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آ جائے جس کا آنا یقینی ہے۔ آیتِ ثانیہ: چناں چہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔ دیکھیے! اِن تمام جگہوں میں موت، حشر ونشر اور حساب وکتاب کا تذکرہ فرما کر خاتمے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

**قسمِ ثانی:** بعضے صورتوں میں متکلم کا کلام کسی جگہ ابلغ اور کسی جگہ غیر ممدوح ہوجاتا ہے تو کسی جگہ مذموم ہوکر رہ جاتا ہے، جیسے: اِلمام وسلخ، اِغارہ ومسخ، نسخ وانتحال، عقد اور حل میں ہوتا ہے۔ نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

متکلم غیر کے کلام کو اپنے کلام میں شامل کرے

کلام اللہ وکلام الرسول کو شامل کیا ہوگا

کلام الناس کو شامل کیا ہوگا

وضاحت کے ساتھ لیا ہوگا (استشہاد)

بغیر وضاحت کے لیا ہوگا

بلا تغییر یا معمولی تغییر سے لیا ہو (اقتباس)

تغییرِ کثیر سے لیا ہو (عقد)

نثر کو نثر میں لینا (تضمین)

نظم کو نظم میں لینا (سرقات شعریہ)

نثر کو نظم میں لینا (عقد)

نظم کو نثر میں لینا (حل)

صرف مضمون لیا ہو (اِلمام وسلخ) ''ابلغ، مذموم، غیر ممدوح''

تمام یا اکثر الفاظ کو مع معنی لیا ہو

نظمِ کلام میں تبدیلی کی ہو (اغارہ ومسخ) ''ممدوح وغیر ممدوح''

نظمِ کلام میں تبدیلی نہ کی ہو (نسخ وانتحال) ''مذموم''

تفصیل کے لیے کتبِ بلاغت یا ''اجرائے بلاغتِ قرآنیہ'' ملاحظہ ہو۔

## سوالاتِ فصاحت وبلاغت

۱- فصاحت کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

۲- فصاحت کلمہ کسے کہتے ہیں؟

۳- تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاسِ لغوی اور غرابت وکراہت فی السمع کس کو کہتے ہیں؟

۴- فصاحتِ کلام کسے کہتے ہیں؟

۵- تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی کی تعریفات کیا ہیں؟

۶- بلاغت کی تعریف کریں؟ اور اِس کی کتنی صورتیں ہیں؟

۷- حال، مقتضائے حال اور مطابقت کی تعریف کریں؟

## سوالاتِ علومِ بلاغت

۱- علومِ بلاغت کتنے ہیں؟

۲- علمِ معانی کی تعریف کیا ہے؟

۳- علمِ معانی کا موضوع اور غرض وغایت کیا ہیں؟

۴- علمِ معانی کے کتنے ابواب ہیں؟

۵- اِس کلام میں علم بیان کے طُرقِ ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟

۶- اِس آیت میں محسّنات لفظیہ ومعنویہ میں سے کون کون سی صنعتیں پائی جاتی ہیں؟

## علمِ معانی

### سوالاتِ خبر وانشاء

۱- خبر وانشاء کی تعریف کرتے ہوئے کسی ایک کی تعیین کرلیں؟

۲- ارکانِ جملہ (مسند، مسندالیہ) اور قیودات کی تعیین کریں؟

۳- یہ خبر اسمیہ کی صورت میں ہے یا فعلیہ کی صورت میں؟

۴- اگر جملہ اسمیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض؛ اور فعلیہ ہے تو اِس کی (دو) بنیادی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟

۵- مذکورہ کلام اگر خبر ہے اور اُس کی غرضِ حقیقی مراد ہے تو فائدۃ الخبر ہے یا لازمِ فائدۃ الخبر؟

۶- اگر فائدۃ الخبر ہے تو ابتدائی، طلبی اور انکاری میں سے کیا ہے؟

۷- خبر کی اغراضِ مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

۸- اگر انشاء ہے تو انشائے طلبی ہے یا غیر طلبی؟ اور اِس کی تعریف کیا ہے؟

## سوالاتِ اقسامِ انشائے طلبی

۱- اگر یہ انشاء، انشائے طلبی ہے تو اِس کی چھ قسموں میں سے کیا ہے؟

۲- اگر امر ہے تو اُس کی تعریف کیا ہے؟ اُس کے چار صیغوں میں سے کونسا صیغہ ہے؟

۳- امر کے معانیٔ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

۴- اگر نہی ہے تو اُس کی تعریف کیا ہے؟ اور اُس کے (بارہ) معانیٔ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

۵- اگر استفہام ہے تو استفہام کا کونسا ادات ہے؟ نیز یہ حرفِ استفہام طلبِ تصور کے لیے ہے یا طلبِ تصدیق کے لیے؟

۶- اداتِ استفہام کے معانیٔ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

۷- تمنّی کسے کہتے ہیں؟ اور اُس کے ادوات: لیت، ہل، لو اور لعل میں سے کونسا ادات ہے؟

۸- ترجی کسے کہتے ہیں؟ اور اُس کے ادوات: لعل اور عسیٰ میں سے کون ہے؟

۹- اگر ندا ہے تو ندا کی تعریف کیا ہے؟ اور ادواتِ ندا میں کون کون ہے؟

۱۰- ندا کی اغراضِ مجازیہ میں سے کونسی غرض ہے؟

## سوالاتِ تعریف وتنکیر

۱- تعریف وتنکیر کی تعریفات کیا ہیں؟

۲- اگر کلام کا کوئی جزو بہ صورتِ معرفہ ہے تو معرفہ کی سات قسموں میں سے کیا ہے؟
۳- اگر کوئی جزو بہ صورتِ عَلَم ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟
۴- اگر کوئی جزوِ کلام معرفہ بہ صورتِ اسم اشارہ ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟
۵- اگر کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ اسم موصول ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟
۶- اگر کوئی جزو مضاف ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟
۷- اگر کوئی جزو منادیٰ ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟
۸- اگر کسی جزو کو بہ جائے معرفہ کے نکرہ لایا گیا ہے تو اُس کے مقاصد میں سے کیا ہے؟
۹- جملے، مسند نکرہ ہے یا معرفہ؟ اگر نکرہ ہے تو اُس کی اغراض، اور معرفہ ہے تو اُس کی اغراض میں سے کونسی غرض ہے؟

## سوالاتِ تقدیم وتاخیر

۱- کلامِ مذکور میں مسند الیہ یا مسند کی تقدیم ہوئی ہے؟
۲- اگر مسند الیہ کی تقدیم ہوئی ہے تو اُس کے دواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟
۳- اگر مسند کی تقدیم ہوئی ہے تو اُس کے دواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟
۴- اگر فعل اور اُس کے معمولات کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے تو اُس کی اغراض میں سے کس غرض سے ہوئی ہے؟

## سوالاتِ ذکر وحذف

۱- ذکر وحذف کی تعریفات کیا ہیں؟
۲- اگر کلامِ مذکور میں ذکرِ مسند الیہ وذکرِ مسند میں سے ذکرِ مسند الیہ ہے تو اُس کے دواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟
۳- اگر مسند کو ذکر کیا ہے تو اُس کے دَواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟

۴- اگر کوئی جزوِ کلام محذوف ہے تو مسند الیہ، مسند اور مفعول بہ میں سے کون محذوف ہے؟

۵- اگر مسند الیہ کو حذف کیا ہے تو حذفِ مسند الیہ کے دواعی میں سے کیا ہے؟

۶- اگر مسند کو حذف کیا ہے تو اُس کے دواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟

۷- اگر مفعول بہ کو حذف کیا ہے تو اُس کے دواعی میں سے کیا ہے؟

## سوالاتِ اِطلاق وتقیید

۱- اِطلاق وتقیید کی تعریفات کیا ہیں؟

۲- اگر کلام میں اطلاق ہے تو کیوں؟

۳- اگر کلام میں تقیید ہے تو تقییدِ کلام کی قیودات میں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟

۴- اگر ادواتِ شرط کے ذریعے تقیید ہوئی ہے تو ادواتِ شرط میں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟ اور غرض کیا ہے؟

۵- کلام کو اِن قیودات سے مقید کرنے کی وجہ مباحثِ نحویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائیں؟

## سوالاتِ قصر

۱- قصر کی تعریف کیا ہے؟ اور اِس کے ارکان کتنے ہیں؟

۲- چار طرُقِ قصر میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز مقصور ومقصور علیہ کی تعیین کریں؟

۳- کیا چار طُرقِ قصر کے علاوہ کوئی اَور طریقۂ قصر اِس آیت میں ہے؟

۴- قصر موصوف علی الصفت اور قصرِ صفت علی الموصوف میں سے کیا ہے؟

## سوالاتِ وصل وفصل

۱- وصل وفصل کی تعریفات کیا ہیں؟

۲- مذکورہ دو جملوں کے درمیان کمالِ اتصال، شبہِ کمالِ اتصال، کمالِ انقطاع، شبہِ کمالِ انقطاع اور توسط بین الکمالین میں سے کیا ہے؟

۳- اگر دو جملوں کے درمیان فصل ہے تو وجوبِ فصل کی پانچ جگہوں میں سے کیا ہے؟

۴- اگر وصل بالواو ہے تو وجوبِ وصل کی دو جگہوں میں سے کیا ہے؟

## سوالاتِ ایجاز، اطناب ومساوات

۱- اِیجاز، اِطناب اور مساوات کی تعریفات کیا ہیں؟

۲- اگر کلام میں ایجاز ہے تو ایجاز کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟

۳- ایجاز قِصَر ہے تو اُس کی کونسی نوع ہے؟

۴- دواعیٔ ایجاز میں سے کیا ہے؟

۵- اگر ایجازِ حذف ہے تو حذف کی چار صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟ اور وہ محذوف کون ہے؟

۶- اگر اطناب ہے تو اطناب کی صورتوں میں کونسی صورت ہے؟

۷- اگر کلام میں اطناب ہے تو دواعیٔ اطناب میں سے کونسا داعیہ ہے؟

## خلافِ مقتضائے حال

۱- کیا کبھی کلام کو مقتضائے حال کے خلاف بھی لایا جاتا ہے؟

۲- اگر کلام کو مقتضائے حال کے خلاف لایا گیا ہے تو اُس کی غرض کیا ہے؟

# علمِ بیان

## سوالاتِ تشبیہ

۱- اِس کلام میں علمِ بیان کے طرقِ ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟

۲- اگر تشبیہ ہے تو ارکانِ تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، اداتِ شبہ اور وجہِ شبہ میں سے کون کون مذکور ہیں؟

۳- اقسامِ تشبیہ باعتبارِ ادات: مرسل ومؤکد میں سے کیا ہے؟

۴- تشبیہِ مؤکد ہے تو ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے مشبہ ومشبہ بہ کس صورت میں ہے؟

۵- اقسامِ تشبیہ بہ اعتبارِ ذکرِ وجہِ شبہ وعدمِ ذکر: مجمل ومفصل میں سے کیا ہے؟

۶- اقسامِ تشبیہ بہ اعتبارِ انتزاعِ وجہِ شبہ وعدمِ انتزاع: تمثیل وغیر تمثیل میں سے کیا ہے؟

## سوالاتِ مجاز

۱- یہ کلام حقیقت پر محمول ہے؟ یا کلام میں مجاز ہے؟

۲- اِس عبارت میں مجاز ہے تو لفظ میں مجاز (مجازِ لغوی) ہے یا نسبت میں مجاز (مجازِ عقلی) ہے؟

۳- اگر مجاز لغوی ہے تو وہ مجازِ مفرد میں سے ہے یا مجاز مرکب میں سے ہے؟

## سوالاتِ مجازِ لغوی مفرد ومرکب

۱- مجازِ مفرد ہے تو اس کی دو قسموں میں سے، اور اگر مجازِ مرکب ہے تو اِس کی دو قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟

۲- اگر مجازِ مرسل ہے تو اِس کے علاقوں میں سے کونسا علاقہ ہے؟

۳- اگر استعارہ ہے تو اُس کے ارکانِ اربعہ (مستعار منہ، مستعار لہ، مستعار اور وجہِ جامع) کو بیان کریں؟

۴- استعارہ کی باعتبار احدالطرفین کے ذکر وعدمِ ذکر کی دو قسموں (تصریحیہ، مکنیہ) میں سے کیا ہے؟

۵- لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسموں (اصلیہ، تبعیہ) میں سے کیا ہے؟

۶- کیا یہ استعارۂ تمثیلیہ کے قبیل سے تو نہیں ہے؟

## سوالاتِ مجازِ عقلی

۱- اِس کلام کی نسبت حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہے یا مجازِ عقلیہ کے قبیل سے؟

۲- اگر مجازِ عقلی ہے تو اِس کے ماھولہ اور غیر ماھولہ کی نیز قرینے کی وضاحت کریں؟

۳- مجازِ عقلی کے علاقوں میں سے کونسا علاقہ ہے؟

## سوالاتِ کنایہ

۱- اگر کلام میں کنایہ ہے تو مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟
۲- کنایہ کی قسموں میں سے کیا ہے؟

## سوالاتِ علم بدیع

### بابِ اوّل: متعلق بہ محسّناتِ معنویہ

۱- مذکورہ آیت میں ضدین کو جمع کیا ہے تو طِباق کی قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟
۲- اگر دو متناسب الفاظ کو جمع کیا ہے تو اِس کی صناعتوں میں سے کونسی صنعت ہے؟
۳- اگر ذو معنین لفظ مستعمل ہے تو اِس کی صناعتوں میں سے کونسی صنعت ہے؟
۴- اگر اَشیائے متعددہ کو جمع کیا ہے تو اِس کی صناعتوں میں سے کونسی صنعت ہے؟
۵- طرَفین کے تعلق سے (تین) صناعتوں میں سے کونسی صنعت ہے؟
۶- اگر صفت بیان کی ہے تو اِس کے متعلق صناعتوں میں سے کونسی صنعت ہے؟
۷- ذکر کردہ مضمون کی پختگی کی صناعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟

### بابِ ثانی: متعلق بہ مُحسّناتِ لفظیہ

۱- دو کلموں کے درمیان جِناسِ تام (تشابہِ لفظین) ہے تو اِس کی قسموں میں سے کیا ہے؟
۲- دو کلموں کے درمیان جِناسِ ناقص (اختلافِ لفظین) ہے تو اِس کی اجمالی اور تفصیلی قسموں میں کیا ہے؟
۳- کلمے کو حسین بنانے کی صنعتوں میں سے کوئی ہے؟
۴- اِختتامِ فقرہ سے متعلق صنعتوں میں سے کون کونسی صنعتیں ہیں؟
۵- ابتدا و اِنتہائے کلام کے اعتبار سے صنعتوں میں سے کیا ہے؟